1986
1407/2
اکتوبر ۸۶

قد افلح من تزکّی و ذکر اسم ربّہ فصلّی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

المجاھدُ من جاھدَ نفسہٗ (حدیث شریف)

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ المرشد چکوال

بیادِ

شیخ العرب والعجم صدّیق دوراں مجدد طریقت مجتہد فی التصوّف بحر العلوم شریعت

امام اولیاء شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت العلام قلزم فیوض برکات

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

دار العرفان منارہ ضلع چکوال

اداریہ

جشنِ آزادی

آزادی اتنی محبوب، اتنی پیاری، ایسی پُرکشش اور اس قدر کیف آفریں ہے کہ انسان تو کیا حیوان بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ آپ ایک پرندے کو جو پنجرے میں بند ہے ذرا اِس قفس سے باہر نکالیں پھر اس کی خوشی کے اظہار کے طور طریقوں کا مشاہدہ کریں۔ اُچھلنا، کودنا، پھڑپھڑانا، چہکنا، پُھدکنا تو ایسی حرکتیں ہیں جو سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کی جاسکتی ہیں، یہی کیفیت ہر اس جانور کی ہوتی ہے جسے قیدوبند کے بعد آزادی نصیب ہو۔

اِنسان کو دیکھئے، بالغ اور عاقل انسان کی تو بات ہی اور ہے۔ نادان بچوں کو دیکھئے سکول میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ چھٹی کا گھنٹہ بجا اس بے تابی سے گھر کو بھاگے جیسے کوئی انمول خزانہ مِل گیا۔

یہ کیفیت افراد تک محدود نہیں، قومیں جب طویل غلامی کے بعد آزادی کی دولت سے مالامال ہوتی ہیں تو وہ بھی اس تبدیلی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں گویا آزادی کی خوشی ہونا ہر ذی رُوح کی فطرت میں خالق کی طرف سے ودیعت کر دیا گیا ہے

برصغیر کے باشندے صدیوں سے آزادی کی فضا میں سانس لے رہے تھے ۱۶۰۰ء میں ایک بدیسی قوم تاجر کی حیثیت سے اس ملک میں آئی، مگر تقریباً ایک صدی بعد ملک کی مالک بن گئی۔ مسلمان قوم جو طویل آزادی سے آشنا تھی وہی اس بدیسی قوم کا اصل نشانہ بنی۔ چنانچہ مسلمانوں پر اس قوم نے ایسے ایسے مظالم توڑے کہ انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جب بیرونی حملہ آوروں نے سیاسی غلبہ حاصل کر لیا اور مسلمانوں کو سیاسی طور پر غلام بنا لیا تو وہ اس پر مطمئن نہ ہوئے بلکہ اگلا قدم اٹھایا، بقول عارف الہ آبادی ؎

جب بسولہ ہٹا تو رندا ہے
توپ کھسکی پروفیسر پہنچے

مسلمانوں کے ذہن ان کی سوچ اور عقل کو غلام بنانے کی تدابیر سوچیں اور لارڈ میکالے کے فتنہ پرور دماغ نے یہ تدبیر بنائی کہ تعلیمی نظام اور تعلیمی نصاب ایسا بنایا جائے کہ ان لوگوں کے جسم تو اس ملک کی مٹی کے ہوں مگر ان کی سوچ ان کا ذہن اور ان کا مقصد حیات نہ وطنی ہو نہ اسلامی بلکہ بدیشی، مادی اور غیر اسلامی ہو کیونکہ تعلیم میں اثر ہے کہ اتنی بڑی تبدیلی لا سکے۔ سچ کہا ہے ترجمان حقیقت نے ؎

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ نسخہ
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

چنانچہ میکالے کی تدبیر کامیاب رہی اور علم کے میدان میں مسلمان احساس کمتری کا شکار ہو گئے۔ اور غیر اسلامی بلکہ غیر انسانی نظام تعلیم کی برتری تسلیم کر لی۔

یہ سفید آقا اس پر بھی مطمئن نہ ہوئے بلکہ مسلمانوں کو تہذیبی اور تمدنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کی تدابیر بھی اختیار کر لیں۔ تعلیم سے سوچ کا انداز تو بدل گیا تھا اب اس کی وجہ سے پسند و ناپسند کا معیار بھی بدل گیا اور اپنی تہذیب کی ہر چیز

سے نفرت ہونے لگی، کھانا، پینا، لباس، رہائش، باہمی معاملات، اخلاق ہر شعبے میں انگریزیت جھلکنے لگی اور نظریہ یوں بدلا کہ ؎

ہیٹ را نہ بر سر خود جائے دستار اے عزیز
مرد تا مسٹر تواند شد چرا ملا شود

(بر خوردار اپگڑی کی جگہ سر پہ ہیٹ رکھ جب آدمی مسٹر بن سکتا ہو تو وہ مولوی کیوں بنے)

اور دیکھنے والے بے اختیار کہہ اٹھے ؎

واہ کیا دھج ہے میرے بھولے کی
شکل بکولے کی ہیٹ سولے کی

قریباً صدیوں کے عرصہ میں حالت یہ ہوگئی کہ مسلمان سیاسی، علمی، تہذیبی، تمدنی بلکہ اپنی تہذیبی تمدنی علمی اعتقادی ہر چیز سے متنفر ہو گئے سچ کہا اقبال نے

؎ دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشان نظری کی

ظاہر ہے کہ اس ہمہ پہلو غلامی سے آزادی ملنے پر خوشی کیوں نہ ہوتی اور اس خوشی کا اظہار بھی اچھلنے کودنے ناچنے گانے وغیرہ کی صورت میں ہونا بھی ایک فطری امر تھا۔ کیونکہ انسان اور جانور میں قدر مشترک بھی موجود ہے البتہ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود انسان نے "ایوبیہ" کے مقام جشن آزادی منانے کا وہ نمونہ پیش کیا کہ سر شرم سے جھک گئے، بہرحال آزادی کی خوشی یقینی اور ضروری چیز ہے۔

سنجیدگی سے سوچنے کی بات یہ ہے کہ ذرا اس آزادی کا تجزیہ تو کیا جائے۔ چنانچہ جہاں تک سیاسی آزادی کا تعلق ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ غلامی کے دور میں اقتدار کی کرسی پر بیٹھ کر بدلشی انگریز بیٹھا تھا آزادی ملنے کے بعد افسوس کہ ہم اپنے مذہب اپنی تعلیم اور اپنی تہذیب و روایات کو نہ اپنا سکے۔ گویا آزادی کے اس پہلو میں خوشی کی بات صرف اتنی ہے کہ غیروں کا جوا تو گردن سے اترا

تعلیمی نظام کو دیکھئے نصف صدی گذرنے کے قریب ہے مگر اس میں

کوئی تبدیلی نہیں آئی، ہاں اتنا ہوا ہے کہ قوم کے پے درپے تقاضوں اور دباؤ سے مجبور ہو کر میکالے کے نظامِ تعلیم میں اسلامیات کا ایک پیوند لگا دیا مگر اس کی کیفیت کچھ یوں ہے کہ ہے

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یونہی کہ گویا آبِ زمزم مے میں داخل ہے

پھر اسلام میں مزید کرمفرمائی یہ ہوئی کہ اسلام کے دو حصے کر دیئے گئے، اسلامیات کے دو نصاب بنا دیئے گئے تاکہ فرقہ واریت بچپن سے ہی ذہن میں پختہ کر دی جائے اور وطنِ عزیز عدمِ اتحاد اور بیگانگی کا شکار رہے۔ پھر نظامِ تعلیم میں یہ انقلاب لایا گیا کہ ہر گلی ہر موڑ پر انگلش میڈیم سکول کھل گئے یعنی دورِ غلامی میں پانچویں جماعت سے انگریزی کی تعلیم دی جاتی تھی آزادی ملی تو نرسری سے انگریزی تعلیم شروع ہو گئی پھر اس آزادی پہ خوشی نہ ہو تو کیا ہو؟

قانونی پہلو کو لیجئے۔ انگریز کا قانون جوں کا توں رائج ہے اسکو بدلنے کے لئے صدرِ مملکت کی نو برس کی کوشش بارآور نہ ہوئیں۔ انگریزی قانون کے ساتھ اسلامی قانون کا ایسا مضحکہ خیز پیوند لگایا گیا کہ جگ ہنسائی کے بغیر کچھ حاصل نہ ہوا۔ ہاں مسلمانوں کو اسلام سے نفرت اور اسلام سے بیزاری اور اسلامی قانون سے فرار کا زریں موقع عطا کر دیا گیا۔ شریعت بل پیش ہوا تو ماتھے پر بل پڑنے لگے۔ ٹال مٹول کے طریقے سوچے اور اختیار کئے جانے لگے اور تدبیریں سوچی گئیں کہ شریعت بل کو ایسا بناؤ تاکہ سب کو قابلِ قبول ہو، جو اکبر کے دینِ الٰہی جیسا ہو۔

تہذیبی پہلو کو دیکھئے تو تہذیب کے ہر شعبے میں مغربیت کی برتری عقلاً اور عملاً مسلّم ہے اپنی تہذیب اور روایات سے انحراف کی راہیں وسیع ہوتی جا رہی ہیں۔ ان حالات میں ہمیں حقیقی آزادی کا نشان نہیں ملتا البتہ زندگی کے ہر میدان میں آزادی کی ایکٹنگ کرنے کی مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں اللہ کریم وہ دن لائے کہ ہم سیاسی، قانونی، تعلیمی، تمدنی، تہذیبی ہر پہلو سے اسلام کی آغوش میں آ جائیں وہ دن واقعی آزادی کا دن ہوگا، خوشی کا دن ہوگا اور خوشی منانے کا وہ اسلوب اختیار کیا جائے گا جو اسلام نے محسنِ انسانیت نے سکھایا ہے ۔۔۔

ہمارے دن گذشتہ پھر ہمیں دکھا دینا
سنا ہے تیری قدرت سے گئے دن پھر بھی آتے ہیں

محمد یوسف

باتیں اُنکی خُوشبو خُوشبو

شیخ المکرم حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

★ فرمایا — جان رکھیئے کہ ایمان ایک ایسا درخت ہے جو اطاعت کے پانی سے نشوونما پاتا ہے۔ اس کی جڑ عمل کی ہوتی ہیں یہ ہمیشہ ذکرِ حق سے مضبوط اور استوار ہوتا ہے۔ جب اس قسم کی اس کی تربیت نہ ہوگی تو وہ ہنگام شروع گر پڑے گا، کیونکہ اس کی جڑ مضبوط نہ تھی

★ فرمایا — اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیجئے، اس لیئے کہ نعمتیں چار ہیں، یعنی ایمان — اعتقاد درست — حسنِ صورت — حسنِ سیرت، یہ آخری نعمت تو آپ کے اختیار کی چیز ہے، پہلی تینوں اللہ تعالیٰ کے اختیار کی چیزیں ہیں جب اللہ نے آپکو تینوں نعمتوں سے بہرہ ور کرنے میں کوئی دریغ نہیں کیا تو آپ بھی چوتھی نعمت کو اپنی طرف سے آراستہ کرنے میں کوتاہی نہ کیجئے۔

★ فرمایا — جس کی خواہش اس کے قبضۂ اقتدار میں ہو اور اللہ کی اطاعت میں ہو اس کا کلمہ لا الٰہ الا اللہ درست ہوگا۔ اس کی توحید قلبی ہوگی اور زبانی بھی، اگر ایسا نہ ہو تو اس کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

★ فرمایا — زادِ آخرت تقویٰ ہے اور تقویٰ کی اساس دو چیزوں پر ہے

۱ امرِ الٰہی کی تعظیم

۲ خلقِ خدا پر شفقت

★ فرمایا — جو شخص کسل و درماندگی اور شہوت نفس پرستی کا فریب کھا کر فرمانِ خداوندی کے خلاف کرے گا تو وہ شیطان کا شاگرد اور اس کا جانشین ہوگا۔

★ فرمایا — مقاماتِ دل

میں بلند درجہ توحید ہے یہ درجہ زبان سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ معرفت اور جذب سے دستیاب ہوتا ہے، عارف کامل وہی ہے جس کا نورِ معرفت اور نورِ تقویٰ و زہد کبھی نہیں بجھتا "

★ فرمایا —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم "ولا تنس نصیبک من الدنیا" یعنی تمہارے مال سے تمہیں صرف اتنا ہی حق ہے جتنا تم نے کھایا اور فنا کر دیا۔ باقی دیا تو اس کو باقی رکھا۔

★ فرمایا —— حق بات کو صبر کے ساتھ سننا کمال احتساب ہے۔

★ فرمایا —— آخرت سے دل نہ باندھنا اور بدبختی پر راضی ہو جانا عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔

★ فرمایا —— دل کی زندگی ترو تازگی سوائے محبتِ خداوندی کے حاصل نہیں ہو سکتی، الا بذکر اللہ تطمئن القلوب ہر شخص دل کی حقیقت سے آشنا نہیں ورنہ وہ غذا اور زہر میں تمیز کر سکتا۔

★ فرمایا —— ہر انسان کے سینے میں ایک ہی دل ہے اور وہی محل تجلیات باری کے لیئے مخصوص ہے۔ اس لیئے باری تعالیٰ اس میں غیر کا قبضہ پسند نہیں کرتے جب قلب تجلیاتِ باری کا مسکن بن جاتا ہے تو تمام رذائل ذلیل ہو کر چلے جاتے ہیں

★ فرمایا —— قلب کے سلیم ہونے کے لیئے دو شرائط ہیں، اول صحت از امراض، قرآن مجید نے قلب کے امراض کفر، شرک، شک اور خواہشات نفسانی کے اتباع کو قرار دیا ہے۔ ان امراض سے صحت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کسی معالج روحانی سے علاج کرایا جائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ قلب کو غذائے صالح بہم پہنچائی جائے جس طرح غذائے صالحہ سے جسم انسانی صحت مند اور قوی ہو جاتا ہے اسی طرح قلب کی صحت اور قوت کے لیئے بھی غذائے صالحہ درکار ہے۔ مگر قلب کی غذا جسم کی غذا سے مختلف ہے قلب کے لیئے غذائے صالح کی نشاندھی یوں کی گئی ہے: قال اللہ تعالیٰ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

سنو! " ذکرِ الٰہی سے ہی قلوب مطمئن ہوتے ہیں "

- ——— فرمایا اولیاء کی صحبت اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک مجرب ذریعہ ہے۔ اولیا اللہ سے دشمنی خدا سے دشمنی ہے۔ حضرت تھانویؒ نے ایک روز فرمایا تھا" اولیا اللہ سے دشمنی کفر تو نہیں مگر توہین کرنے والے مرتے کفر پر ہیں۔
- ——— فرمایا — فرائض راس المال ہیں۔ ترقی ہمیشہ نوافل سے ہوتی ہے مگر جن کے فرائض پورے نہیں ان کے نوافل کا کوئی اعتبار نہیں۔
- ——— فرمایا — لسانی ذکر کے لئے کسی شیخ کی ضرورت نہیں۔ اس کی زبان تو گنگ نہیں خود پڑھ سکتا ہے۔ شیخ کی ضرورت ہوتی ہے ماورائی امور کی معاملات شروع ہونے سے۔ سلوک کا تعلق آسمانوں سے اوپر ہے۔ عرش معلیٰ کے ساتھ ہے۔
- ——— فرمایا — کشف مقصودی چیز نہیں ہے اور نہ ہم اس کو مقصودی چیز سمجھتے ہیں۔ یہ اللہ کا انعام ہے جس پر ہو جائے۔
- ——— فرمایا — اتباع شریعت کے بغیر کوئی چیز نہیں۔ جتنے مناصب ہیں محبار، نقباء ہوں، اوتاد ہوں، ابدال ہوں، فرد ہوں، قطب وحدت ہو، صدیق ہو یہ میرے آقا کی جوتیوں کی خاک سے ملتے ہیں۔ اتباع سے ملتے ہیں۔ بغیر اتباع حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کوئی چیز نہیں ملتی۔
- ——— فرمایا — ذکر الٰہی کی کثرت اور اولیاء اللہ کی صحبت سے انسان کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کبھی بدبخت ہو کے نہیں مرتا۔
- ——— فرمایا ——— علاج قلب اور غذائے قلب عارفین کاملین کے بغیر کسی سے نہیں ملتی۔
- ——— فرمایا ——— صرف کتب ورسائل تصوف سے تزکیہ باطن نہیں ہو سکتا۔ اس دولت کا ملنا شیخ کامل کی صحبت اور القاء والعکاس کے بغیر محال ہے۔
- ——— فرمایا ——— کمال خواہ کسی قسم کا اور درجے کا ہو ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے۔

ے

نیکو روی تاب مستوری ندارد
چو بندی در ز روزن سر برآرد

اگر اظہار نہ ہو تو حق وباطل میں تمیز کیسے ہو۔ حقیقی صوفیاء اور بے معنی مدعیان تصوف میں فرق کیونکر ظاہر ہو۔

اسرار التنزیل

درسِ قرآن حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ العالی

ایمان اور اسکے تقاضے

اسلام وہ راہِ حیات ہے کہ خوب موچ سمجھ کر اور تجزیہ کر کے اپنا نفع نقصان سارا کچھ دیکھ کر آدمی یہ فیصلہ کرتا ہے کہ مجھے اس راستے پر چلنا ہے اسی لئے ارشاد ہوتا ہے

لا اکراہ فی الدین دین کے قبول کرانے میں دین کے منانے میں کسی طرح کا کوئی جبر نہیں ہے۔ ہر شخص کا اپنا ذاتی فیصلہ ہونا چاہیئے یہاں تک تو بات عام فہم ہے ایمان کا تقاضا اس سے بڑھ کر کچھ آگے تک ہے اور وہ عجیب تقاضا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ صرف نبی اور رسول مانا جائے اور نہ صرف اُن سارے حقائق کا اقرار کیا جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائے۔ یعنی جو حقائق جو عقائد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیش فرمائے اُن میں سے کسی ایک کا انکار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار قرار دیا گیا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس سے بھی باریک تر بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو محبوب ترین ہستی قرار دیا جائے اور دل کی گہرائیوں سے اور ٹوٹ کر چاہا جائے محبت کی جائے اور تقاضائے ایمان ہے اس کے بغیر ایمان نصیب نہیں ہوتا یہی شرط قرآن حکیم نے لگائی ہے کہ اگر کسی بات پہ کوئی الجھاؤ پیدا ہو جائے تو حتمی اور آخری بات وہ ہو جو آپ کہہ دیں، یعنی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں کسی مومن کو کوئی الجھاؤ کوئی الجھن پیدا ہو تو وہ آپ کی کی طرف متوجہ ہو آپ کی خدمت میں حاضر ہو اور جو بات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیں اُس پہ وہ نہ صرف یہ کہ عمل کرے بلکہ عجیب بات یہ ہے ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت کہ آپ نے جو فیصلہ فرما دیا اُس

کے متعلق اس کے دل میں بھی کوئی خلش نہ آنے
نہ صرف یہ کہ اسے خندہ پیشانی سے قبول کرے
اس پر عمل کرے بلکہ دل کی گہرائیوں میں بھی اس
پہ اعتراض پیدا نہ ہو۔

یہ جو مطالبہ کیا ہے قرآن کریم نے اس
کی شرح حدیث شریف میں اس طرح سے ملتی
ہے ارشاد ہوتا ہے

لا یومن احدکم تم میں سے
کوئی شخص اس وقت تک ایماندار ہو ہی نہیں سکتا
دیں بس مومن نہیں کہا کہ وہ ایماندار نہیں ہے فرمایا
لا یومن وہ ایماندار ہو ہی نہیں سکتا۔ کیسے ہو
سکتا ہے فرمایا:-

حتیٰ اکون احب الیہ من
والدہ و ولدہ والناس اجمعین

جب تک میری ذات اسے والدین سے
اولاد سے ساری مخلوقات سے محبوب نہ ہو جائے
ایک تو تھا آپؐ کی رسالت کو ماننا اس
ماننے میں وہ سب کچھ ماننا پڑ گیا جو حضور اکرم صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیش فرمایا ماجاءَ
بہٖ محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم۔

یہ جو عام بات ہے کہ اہلِ قبلہ کی تکفیر نہ کی
یا من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ

اس طرح کی احادیث یا ارشادات ملتے ہیں اُن
سب کا مفہوم یہی ہے لا الٰہ الا اللہ کہنے
سے صرف ایک جملہ کہنا مراد نہیں ہے بلکہ تمام
ضروریاتِ دین کا اقرار مراد ہے اور ان ضروریات
میں سے کسی ایک کا انکار لا الٰہ الا اللہ
کا انکار ہے۔

اہلِ قبلہ ہونے میں سے صرف اہلِ قبلہ
ہونے سے صرف یہی ضروری نہیں ہے کہ
وہ اپنی عبادات میں رُخ کعبے کی سمت کرتا ہو
بلکہ جتنے عقائد و نظریات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
پیش فرمائے ہیں اور جن حقائق کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے خبر دی ہے اُن سب کا اقرار ضروری ہے
اگر اُن میں سے کسی ایک کا انکار کر بیٹھا تو اہلِ
قبلہ میں سے نہیں۔ اگر صرف کعبے کا رخ یا کعبے کو
کعبہ ماننا مقصود ہوتا تو بعثتِ نبویؐ سے پہلے
بھی مشرکین کعبے کا طواف کرتے تھے اور بعثتِ
نبوی کے بعد بھی کرتے رہے انہیں تو اہلِ قبلہ
کسی نے نہ کہا، حالانکہ وہ کعبے کو قبلہ تسلیم
کرتے تھے۔

یہ بات تو غلط العام ہے کہ کوئی شخص بنیادی
عقائد و نظریات کا منکر بھی ہو کلمے کا انکار کرے
خیر ہے کتاب اللہ کو اللہ کی کتاب ہونے
سے انکار کرے خیر ہے وہ اہلِ قبلہ میں سے ہے

یہ درست نہیں ہے اہلِ قبلہ میں سے وہی ہے جو ان تمام حقائق کا اقرار کرتا ہو جن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی۔ یہاں تک تو بات تھی جاننے اور ماننے کی اور ایمان کے لیئے جاننا شرط ہے

جاننا اور ماننا

حضورؐ کی ذات کے متعلق بھی جانتا ہو تب مانے گا اگر اُس کا اتنا وسیع مطالعہ نہیں ہے تو کم از کم اُسے یہ ضرور سمجھ ہو کہ حضور اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے اور شرفِ انسانیت تھے، حضورؐ انسان تھے ایک ایسا انسان جس جیسا کوئی دوسرا انسان دُنیا میں نہیں ہے، مخلوق تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے ہجرت فرمائی مدینہ منورہ رہے اور روضۂ اطہر میں آرام فرما ہیں، کم از کم اتنا ضرور جانتا ہو۔

اور یہ ضرور جانتا ہو کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں امام الانبیاء ہیں اور اللہ کریم کے بعد بزرگ ترین ہستی ہیں اللہ کے رسول ہیں، خدا کے آخری نبی ہیں تمام نبیوں کے امام ہیں۔

پھر یہ بھی جانتا ہو کہ حضورؐ کیا لائے، آپؐ نے خدا کو کس طرح ماننے کا حکم دیا، اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ چھوٹے بچے کو جب اللہ کا تصور دیا جائے تو اُسے یہ بات بتائی جائے کہ میں اُس خدا کو مانتا ہوں جس کے متعلق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو حضرت عبداللہ کے بیٹے تھے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی اور روضہ اطہر میں مقیم ہیں انہوں نے جس خدا کو منوایا ہے میں اُس خدا کو مانتا ہوں، اُن صفات کے ساتھ جن کے ساتھ حضورؐ نے ماننے کا حکم دیا۔

ورنہ محض خدا کا تصور تو آپ کو ہندو مت، میں، جین مت، بدھ مت میں، آریہ سماج میں ہر جگہ مل جائے گا۔

اب یہاں تک تو تھا جاننے اور ماننے کا تعلق، اس جاننے میں وہ عقائد ضروریہ بھی داخل ہیں کہ وہ اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانے ذات و صفات میں، انسان کو اُس کے سامنے جوابدہ مانے روح اور وجود کا قائل ہو، موت کے بعد حیات کا قائل ہو، برزخ کا قائل ہو، جنت و دوزخ کا قائل ہو، عذاب و ثواب کا قائل ہو، جتنے عقائد ضروریہ دین میں ہیں اُن سب کو جانے بھی اور جاننے کے بعد ہی مان سکے گا۔ جب جانتا ہی نہیں ہے اُس نے ماننا کب ہے۔ ایک بات کو آپ اور ہم جانتے ہی نہیں ہیں مانیں گے کب، اسی لیئے ارشاد ہوا ہے کہ ضروریات دین کا جاننا ضروری ہے

فرائض کا جاننا فرض ہے واجب کا جاننا واجب اور مستحبات کا علم بھی مستحب ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ایسا رخ ہے جس کی طرف اکثریت کی توجہ نہیں ہے، اسی اسی برس ستر ستر برس ساٹھ ساٹھ برس عمر ہو گئی کلمہ شریف پڑھتے ہوئے ان دو جملوں کا معنی تک نہ پوچھا ہے نہ پوچھنے کی کوئی ضرورت ہی کسی کو پیش آئی ہے نہ انہیں خبر ہی ہے کہ یہ لا الٰہ الا اللہ کہنے سے کیا مفہوم ہے مراد کیا ہے اور اس کہنے کے بعد مجھے کیا کرنا ہے اور نہ ہی یہ تکلیف کی کہ یہ جملہ جو ہے محمد رسول اللہ اس سے مراد کیا ہے اور اگر یہ کہہ دیا جائے تو اس کے تقاضے کیا ہیں۔

اسی طرح بے شمار خلق خدا آپ کو ملے گی جو نماز پڑھتے ہیں کیا اس کے معنی سے آشنا ہیں؟ نہیں سمجھتے کہ یہ جو عبارت میں نے یاد کر رکھی ہے اس سے کیا مراد ہے، میں کیا کہتا ہوں کیوں کہتا ہوں ہر بار یہی دہراتا ہوں کیوں دہراتا ہوں اس میں کیا ہے؟

تو یہ جس قدر معلومات زیادہ ہوتی چلی جائیں گی جتنا کوئی جانے گا اتنا اس کا اقرار مضبوط اور اتنا اس کا ایمان ترقی کرتا چلا جائے گا، اس کے لئے جاننا شرط ہے اس جاننے کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معرفت ضروری ہو گی کیونکہ آدمی محبت تب ہی کر سکے گا جب وہ حضورؐ کے کمالات سے واقف ہو گا۔

معرفت رسول

جن میں ایک بنیادی بات اللہ کریم نے عجیب ارشاد فرمائی دیکھیں محبت ایک فطری جذبہ ہے اور یہ جذبہ ہر ذی روح میں ہے ایک چیونٹی سے لے کر ایک بڑے سے بڑے حیوان تک ہر جانور میں موجود ہے۔ آپ کسی چڑیا کا بچہ پکڑ لیں اور وہ جانتی ہو کہ میں اس آدمی کا بگاڑ کچھ نہیں سکتی لیکن وہ بچے کی محبت سے مجبور ہو کر جھپٹتی ضرور ہے۔ آپ ایک چیونٹی کو دیکھیں وہ خوراک لے کر اپنے بچوں کے لئے ضرور جاتی ہے اسے ان کی محبت مجبور کرتی ہے کسی جانور کو دیکھیں وہ اپنے بچے کے لئے بے قرار ہوتا ہے۔ یہ فطری محبت ہے اسے اپنے بچے کے ساتھ اپنے آپ کے ساتھ اپنا پیٹ بھرنے کا اپنا بھرنے کا اپنی جان بچانے کا کتنا اہتمام ہر جانور بھی کرتا ہے یہ ایک محبت ہے فطری، یہی فطری محبت انسان کو اولاد سے بھی ہوتی ہے، انسان کو احباب سے بھی ہوتی ہے جہاں رہتا ہے اس مکان سے بھی ہو جاتی ہے جگہ اور شہر سے بھی ہو جاتی ہے۔

محبت فطری اور شعوری

ایک محبت ہوتی ہے شعوری، جس سے حیوان آشنا نہیں ہیں، کیونکہ اُن میں شعور نہیں ہے، عقل نہیں ہے۔ ایک محبت عقلی اور شعوری ہے کہ انسان تجزیہ کرے کہ میرے لئے میری انسانیت کے لئے، عالم انسانیت کے لئے، میری زندگی کیلئے، میری موت کے لئے، مابعد الموت کے لئے کون سی بات، کون سی چیز، کونسا انسان، کونسی ہستی مفید تر ہے۔ اس تجزئیے کے بعد جسے سب سے مفید پائے گا فطری طور پر اُس کی عقلی محبت اُس طرف منتقل ہو جائے گی، اُس کا ذہن، اُس کا دماغ یہ فیصلہ کر دیگا کہ مجھے یہ بات یا یہ ہستی نہیں چھوڑنی چاہیئے۔ یہ فیصلہ تب کریگا جب وہ عقلی طور پر تجزیہ کریگا۔

خداوند عالم جلّ و علیٰ نے حضور صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم

تین صفتیں حضور اکرم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی انسانیت کے سامنے ارشاد فرمائیں فرمایا ایک تو دیکھو انسانوں میں سے تشریف لائے، شرف انسانیت ہیں فخر انسانیت ہیں، یعنی تمہیں کسی غیر جنس سے محبت نہیں کرنا پڑی اور جنس کو جنس سے استفادہ کرنا سہل ہوتا ہے ہاتھی سے بکری کے بچے حاصل کرنا محال ہے، غیر جنس سے آمیزش کرنا مشکل ہو جاتی ہے لیکن جنس کو جنس کے ساتھ اُنس جو ہے یہ فطری ہوتا ہے اس لئے فرمایا حضور اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تمہارے میں سے تمہیں میں سے ہیں اور ایک ایسی شخصیت ایک ایسی ہستی عزیز علیہ ما عنتم کہ پوری انسانیت کو جہاں چوٹ لگے اُس کا دکھ وہ محسوس فرماتے ہیں یہاں خطاب ساری انسانیت کو ہے کہ دیکھو کوئی اپنی اولاد کے لئے دکھی ہوتا ہے کوئی کسی اپنے دوست کا دکھ بانٹتا ہے، کوئی اپنے جاننے والے کا دکھ بانٹتا ہے، اک جسے جانتا نہیں، پہچانتا نہیں اُس کے دکھ بانٹنے کون جائے گا۔

لیکن فرمایا میرا پیمبر اتنا کریم ہے عزیز علیہ ما عنتم اے نوع انسانی تیرے ایک فرد کو بھی کہیں ٹھوکر لگے تو اُس کا درد محسوس کرتا ہے اس کیلئے دشوار تر ہے تمہارا دکھوں میں مبتلا ہونا اور کائنات سے بے نیاز تمہارے لئے حریص ہے۔ حریص علیکم انسانی فلاح کیلئے تمہاری بہتری کے لئے، اے نوع

انسانی نیرے ایک فرد کو کہیں ٹھوکر لگے تو اُس کا درد محسوس کرتا ہے ، اُس کے لیئے دشوار تر ہے تمہارا دُکھوں میں مبتلا ہونا اور کائنات سے بے نیاز تمہارے لیئے حریص ہے ۔ حریص علیکم انسانی فلاح کے لیئے، تمہاری بہتری کے لیئے ، اے نوع انسانی اس میں مومن و کافر کی تمیز نہیں ہے ، پوری انسانیت کو خطاب ہو رہا ہے کہ تم سب کے لیئے کتنا حریص ہے تمہاری بہتری کے لیئے چاہتا ہے تم کو سب کو اچھی زندگی، بہترین سفر اور اچھا انجام نصیب ہو، حریص علیکم اور اس معاملے میں حرص کی حد تک جاتا ہے ، صلی اللہ علیہ وسلم...

وہ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہزار کافر کو بحالت کفر قتل کرنے سے اُن میں سے کسی ایک کو مسلمان بنا لینا زیادہ باعث اجر ہے ۔ وہی بات یہاں آتی ہے کہ پوری انسانیت میں جہاں کسی کو ٹھوکر لگے فرمایا جب کوئی دوزخ کی طرف قدم بڑھائے جب کوئی اللہ کے غضب کی طرف چلنے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کا دُکھ محسوس فرماتے ہیں ۔ رہی بات مومنوں کی رہی ان لوگوں کی بات جو آپؐ کے دامانِ شفقت سے وابستہ ہوگئے فرمایا و بالمؤمنین رؤف الرحیم مومنین کے لیئے تو اُس کی رحمت ٹوٹ ٹوٹ کر برستی ہے

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

یعنی جس کی شفقت سے دشمن بھی دامنِ رحمت بھر بھر کر لیجا رہے ہیں دوست کہاں محروم رہتے ہیں !

تو جب یہ عقلی تجزیہ کیا جائے جب اس موضوع پر سوچا جائے پرکھا جائے ایک طرح سے حساب کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ہماری اپنی ذات سے بھی ہمارے وجود کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ متفکر ہیں ۔ ہمیں خود اپنی اصلاح کی اتنی فکر نہیں جتنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور ہم خود اپنی اصلاح کے لیئے اُن راستوں سے اُن طریقوں سے واقف نہیں ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے جتنے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واقف ہیں ۔ اور ہر ایک کے لیئے اُسی بہتری کا اُسی فلاح کا نسخہ تجویز فرمایا ۔

تو یہ تجزیہ کرنے کے بعد انسان جب اس مقام پہ پہنچے بات کو پالے کہ میرے لیئے میری ضروریات کیلئے میری اولاد کیلئے ، میری نسل کیلئے میری زندگی کیلئے میری موت مابعد الموت تک کے لیئے مجھ سے بھی زیادہ میرا خیال فرماتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

تو اُس کی عقل اور شعوری محبت کا رُخ اُس طرف پھر سکتا ہے۔

پھر وقتی اور عارضی نقصانات بھی اگر راستے میں آ گئے تو وہ برداشت کرتا ہے صبر و شکر کے ساتھ لیکن دامان پیامبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں چھوڑتا۔

آپ دیکھیں ایک شخص کسی بہت بڑے آدمی کے ساتھ وابستہ ہو جائے تو وہ گھر چھوڑ دیتا ہے، تکلیفیں اُٹھاتا ہے، گولیاں کھاتا ہے لیکن اُس کا دروازہ نہیں چھوڑتا، اپنا مستقبل اُس سے وابستہ کر چکا ہوتا ہے، اُس کی عقل اُسے فیصلہ دے چکی ہوتی ہے کہ تیری آبرو، تیرا مرنا جینا اس شخص کے ساتھ ہے، تیری پہچان ہے یہ شخص اگر اس سے چھوٹ گیا تو تو انسانوں کی بھیڑ میں گم ہو جائے گا۔ آپ دیکھیں کتنے لوگ ہیں جو امراء کے ساتھ باڈی گارڈ کے طور پر پھرتے ہیں، اُن کی اپنی کوئی دشمنی نہیں کسی کے ساتھ انہیں گولی کا کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن وہ گولیاں کھاتے بھی ہیں، گولیاں مارتے بھی ہیں۔ اس شخص کو اپنی پہچان بنا رکھا ہوتا ہے ۔ مر جاتے ہیں لیکن اُس دروازے سے نہیں ہٹتے وہ جانتے ہیں اگر اس دروازے سے میں اُٹھ گیا تو میں انسانوں کے ہجوم میں گم ہو جاؤں گا یہاں بیٹھا ہوں تو جہاں اس کا نام چمکتا ہے وہاں میری بھی پہچان ہے۔

تو اگر کسی کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دروازہ نظر آ جائے اور وہ وہاں بیٹھ جائے تو پھر بھلا وہ کب اُٹھے گا ۔ کیوں اُٹھے گا ۔ لیکن یہ تب بیٹھے گا جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت اپنی حیثیت کے مطابق اُسے نصیب ہو جائے اُس کی عقل فیصلہ کر دے کہ واقعی یہ ہستی نا شور بھی ہے اور میرے لئے کریم اور مہربان بھی ہے۔ دونوں باتیں ہیں جب تک میں جیتوں یا مروں ۔ میں انسانوں کی بھیڑ میں کھو نہیں جاؤں گا، زندگی یا موت مجھے گمنام نہیں کر سکتی دُنیا تہ و بالا ہو جائے ۔ قیامت گذر جائے آسمان ٹوٹ جائیں ۔ سورج بے نور ہو جائے ۔ حشر بپا ہو جائے اب بھی اس میدان میں مجھے اس نام کے ساتھ ضرور پکارا جائے گا۔ خواہ دُنیا کہیں سے کہیں چلی جائے، حالات بدل جائیں، آسمان و زمین پارہ پارہ ہو جائے میدانِ حشر میں بھی مجھے ضرور پکارا جائے گا کہ وہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ پہ بیٹھا تھا تو جب یہ فیصلہ انسان کرے تو پھر جو فطری یا جذباتی محبتیں ہیں اُن پہ حضورؐ کی محبت غالب آ جاتی ہے۔

اور اس فطری غلبے کی دلیل یہ ملتی ہے کہ دیکھیں ہر مسلمان میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی محبت موجود ہے لیکن اتنی دب جاتی ہے اتنی دب جاتی ہے کہ بے شمار چھوٹی چھوٹی مصلحتیں ہوتی ہیں جن کا اس کے اوپر انبار لگ جاتا ہے اور جب کبھی آپ نے اندازہ کرنا ہو تو کسی مسلمان کے سامنے کسی کا حوالہ پیش کر دیں کہ فلاں شخص نے حضورؐ کی شان میں گستاخی کی تو وہ گستاخی کا جو لفظ ہے نا وہ اُن تمام انباروں کو چیر کر نیچے سے حضورؐ کی محبت کو نکال لائے گا، پھر وہ شخص تڑپ بھی اٹھے گا — نماز نہیں پڑھتا — روزہ نہیں رکھتا اُسے اتباعِ رسالت کا خیال نہیں ہے لیکن وہ جو کلمہ اس نے پڑھا تھا صمیم قلب سے اُس کے دل میں وہ بات یقینی ہو گئی، یہی جذبہ ہے جو کبھی نہ کبھی ہر مسلمان کو عذاب سے نجات دلا دے گا یعنی یہ نہ مٹنے والا جذبہ ہے — اور یہ اللہ تعالیٰ کا اتنا احسان ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوتے ہیں بڑے ہی بے نصیب ہوتے ہیں جو اس سعادت سے محروم رہیں کہ ان کے دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی مٹ چکا ہو۔ اکثریت کو میں نے دیکھا ہے کہ گناہوں میں غرق ہو کر بھی مریں اُن کے لوحِ دل سے وہ مٹایا نہیں جاتا جو بچپنے میں والدین نے اُس کے دل پر لکھ دیا ہے اور آپ دیکھتے ہیں یہ ملکی جنگوں میں آپ نے دیکھا جن لوگوں کو ہم بے نماز بھی دیکھتے تھے — جن لوگوں نے کوئی حلیہ بھی سنت کے مطابق نہیں بنا رکھا تھا — سگریٹیں پیتے ہیں — گپیں ہانکتے ہیں — سینما دیکھتے ہیں لیکن جب اسلام کفر کی بات آئی تو وہ ہزاروں نمازیوں سے بڑھ کر درد دل والے نکلے۔

جس جذبے کی ضرورت ہے

تو یہ تو ہے ایک ایسا جذبہ جو مٹتا تو نہیں بحمداللہ، دب جاتا ہے اور کوئی حادثہ اُسے نکال لاتا ہے مطلوب وہ ہے جسے سامنے لانے کے لیئے کسی حادثے کی ضرورت نہ ہو بلکہ جو انسان کے سامنے چلتا ہے جدھر جاتا ہو اُسی پہ نظر ہو — وہی رہنما ہو ایسی محبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ آپؐ کی ہر ادا محبوب ہو جائے — آپؐ کا ہر چاہنے والا محبوب ہو جائے — آپؐ کا ہر حکم محبوب ہو جائے اور یہ نظر آتا رہے کہ یہ شخص اپنی مرضی سے نہیں جی رہا — یہ کسی کے کہنے پر اس طرح سے چل رہا ہے — اس کے اٹھنے بیٹھنے کے انداز اس کے سونے جاگنے کے انداز اس کی دوستی دشمنی کے انداز — اس کے لین دین کے انداز یعنی عقلی اور شعوری محبت کا تقاضہ یہ ہے ایک تو ہے بحمداللہ جو ہمیں وراثت میں مل گئی — لیکن حق یہ ہے کہ ہم اس کو ان بلندیوں تک پہنچائیں کہ وہ ہمارے وجود سے لیکر ہمارے ارادے تک متاثر کر دے

اور ہمارے ایمان اور عقیدے سے لیکر ہمارے عمل تک کو ایک خاص روش پہ ڈھال دے یہ مقصود ہے قرآن کا بھی حدیث پاک کا بھی۔

یعنی کمالِ ایمان کے لیئے تکمیلِ ایمان کے لیئے یہ عقل اور شعوری محبت اتنی ہی ضروری ہے جتنا زندگی کے لیئے سانس لینا ضروری ہے اور یہی مطالبہ ہے کتاب اللہ کا بھی ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ حکم دے دیا کہ جو فیصلہ کر دیا اس کے سامنے یہ نہیں کہ عمل میں چون وچرا نہ کرے، یہ نہیں کہ اس پر عمل نہ کرے بلکہ دل میں بھی اس کے خلاف کوئی شکایت کا حرف نہ آئے۔

اور آپ دیکھتے ہیں صحابہ کرام کی زندگیاں آپ دیکھیں بیشتر حضرات کے مطالعہ میں یہ بات آئی ہے کہ ان کے واقعات، ان کی کرامات، ان کی اطاعت، ان سب کا ایک نگاہ سے تجزیہ کریں کہ اس میں اطاعت کس حد کی ہے

تو آپ دیکھیں گے کہ وہ دیوانگی کی حد تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں، اب بھلا کوئی بات ہے کہ خندق کھودی جا رہی ہے دشمن شہر پہ چڑھا ہے تو آٹھ سات سات چھ چھ کا گروپ بنا تھا صحابہ کرام کا اور تقریباً چالیس چالیس گز حصے میں آئی تو وہ کم گہری بھی ہو تو آٹھ سات فٹ تو گہری ہو گی جس میں کوئی آدمی اُتر چڑھ نہ سکے یا جس میں کوئی گھوڑا چھلانگ لگا کر اُتر چڑھ نہ سکے اتنی چوڑی بھی ہو گی جسے کوئی چھلانگ نہ سکے۔ یہ وہ خصوصیات تو اس میں ہونگی تو اتنا بڑا ٹکڑا اتنا گہرا اتنے محدود وقت میں فوراً تیار کرنے کے لیئے کتنی کوشش کتنی جانفشانی کی ضرورت تھی۔ تو اس میں لگے ہوئے ایک گروپ کے سامنے کچھ کھدائی کے بعد ایک چٹان آ گئی اب کیا کیا جائے سارا زور لگانے سے چٹان ٹوٹتی تو نہیں ہے چھوڑ دیتے ہیں تو یہاں سے جگہ تنگ ہو جائے گی آدمی عبور کر سکے گا تو پہلا مشورہ کسی نے یہ عرض کیا کہ ایسا کریں جتنی یہ چٹان اندر ہے اُتنی دوسری طرف سے خندق پرے ہٹا لیں تو صرف یہ ہے کہ اس میں ٹیڑھا پن آجائے گا مقصد پورا ہو جائے گا کہ کوئی آدمی آسانی سے عبور نہ کر سکے تو حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ اس گروپ کے انچارج تھے وہ کہنے لگے بات تو ٹھیک ہے مقصد تو پورا ہو جائے گا لیکن اسے کھودنے کے لیئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی چھڑی مبارک سے لکیر لگائی ہے اس طرف بھی اور اس طرف بھی کہ ان لکیروں کے اندر خندق کھودی جائے اب اس لکیر کو کون توڑے گا

مسئلہ یہ نہیں کہ ضرورت پوری ہو جائے سوال تو یہ ہے کہ جو لکیر حضور نے لگا دی ہے تم بیچ سے

کون ہے جو اس کو مٹا کر اپنی لکیر لگائے گا کہ اس طرف لکھوا دیں تو سب خاموش ہو گئے کہ نہیں جی یہ بات ہمارے بس کی نہیں ہے اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہی پیش کر دو آپؐ چاہیں تو لکیر اس طرف لگا دیں یہ ہمارے بس کی بات نہیں، مقصد صرف جنگ کے لئے ایک رکاوٹ بنانا ہے، مقصد فوت نہیں ہوتا، لیکن آپؐ کے دستِ مبارک کی لگی ہوئی لکیر ان سے مٹائی نہیں جاتی۔ یہ جنون نہیں تو کیا ہے جو مقصد یا مطلوب ہے وہ پورا ہو رہا ہے۔

لیکن یہ جنون دیوانگی کا نہیں یہ جنون فریفتگی کا ہے کہ حضورؐ نے لکیر لگا دی ہے بھائی میرے لئے تو یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔

صلح حدیبیہ میں جب وہ لکھا جانے لگا معاہدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو لکھنے کا حکم دیا حضورؐ نے۔ مشرکین مکہ بھی موجود تھے ان کا جو وفد تھا وہ بھی موجود تھا تو ابتداء میں انہوں نے کی من محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی ما بین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و اہلِ مکہ یا اس طرح کا کوئی جملہ تھا جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی تھا وہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے رسول اللہ لکھا تو مشرکین کے وفد نے روک دیا کہ آگے نہ لکھیں جی آپؐ صرف محمد لکھیں محمد بن عبداللہ لکھیں تب ٹھیک ہے ورنہ اگر ہم محمد رسول اللہ تسلیم کر لیں تو جھگڑا کس بات کا ہے آپ وہ نام لکھیں جو ہم بھی مانتے ہیں آپؐ مانتے ہیں رسول اللہ ہم تو نہیں مانتے آپ جو معاہدہ ہمارے ساتھ لکھ رہے ہیں اس میں محمد بن عبداللہ لکھیں محمد رسول اللہ اگر ہم تسلیم کر لیں تو پھر جھگڑا کس بات کا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ٹھیک کہتے ہیں جھگڑا ہی اس بات پر ہے تو یہ کاٹ دو، رسول اللہ کاٹ دو، محمد رہنے دو عرض کی یا رسول اللہ لکھ تو چکا ہوں لیکن آپؐ کے نام سے رسول اللہ کا لفظ کاٹنا یہ میری جرأت نہیں آپؐ چاہیں تو خود اسے قلمزد فرما دیں، میری جرأت نہیں ہے کہ میں کاٹ دوں خود حضورؐ فرما رہے ہیں کہ کاٹ دو لیکن وہ قلب کی وابستگی ہے وہ نہیں حوصلہ کرتی کہ اس پر سیاہی پھیر دے۔

تو اس کو اگر ہم پلٹ کر لے آئیں اپنی ذات کی طرف اور اپنا تجزیہ کریں تو کتنے مقامات ہیں ہماری زندگی میں کتنے عقائد و نظریات ہیں کتنے اعمال ہیں جن پر لکھا ہوا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتنے ایسے ہیں جہاں سے مٹتا جا رہا ہے

جہاں جہاں سنت ہے سمجھئے وہاں لکھا ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم کیا فیصلہ کرتے ہیں ہم سنت کی طرف جائیں گے یا بوجھ لگتی ہے

ہمارا ایک عمل آجاتا ہے یعنی دین کا تجارت کا ایک آجاتا ہے ملازمت کا، تنخواہ لیتے ہیں کام کرتے ہیں، ایک آجاتا ہے کسی کے ساتھ دوستی دشمنی کا ملنے بیٹھنے کا تو کوئی بھی زندگی کا ایک عمل لے کر اس کا آپ تجزیہ شروع کر دیں کتنے عمل ہمکو نظر آئیں گے جن پر سے ہم نے خود مٹا دیا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم

ہم نے سمجھا ہے کہ ٹھیک ہے اسلام ہمیں مل گیا وراثت میں اور جو ہم کر رہے ہیں اسلام کا تقاضا بس اتنا ہی ہے۔

پرسوں وہاں کوہاٹ میں بھی ایک سوال ہوا تھا بڑے مزے دار کہ کیا وجہ ہے کہ لوگ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں حجیں کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں ارکان دین پہ عمل کرتے ہیں لیکن جب عمل زندگی میں آتے ہیں تو ان میں اور بدکاروں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ جیسا عام معاشرہ ہے ویسے وہ بھی ہوتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ ان کی اصلاح کیوں نہیں ہوتی۔ تو میں نے یہی عرض کیا تھا کہ میری سمجھ میں آتا ہے کہ ہم لوگ جس طرح اپنے پہلوں سے رواج لیتے ہیں، رسومات لیتے ہیں کہ ہم سے پہلے اس طرح کا لباس پہنتے تھے ہم نے بھی پہنا ہوا ہے، جس ملک میں کسی اور طرح کا پہنا جاتا ہے وہاں جو پیدا ہوتا ہے پلتا بڑھتا ہے، اس طرح کا لے لیتا ہے، ایک رواج ہے اس نے پہلوں سے لے لیا۔ اس طرح کھانے کے رواج ہیں، ایک جگہ اور طرح کا کھایا جاتا ہے، دوسرے ملک میں اور طرح کا۔ کہیں چاول کھائے جاتے ہیں بنیادی غذا چاول ہیں، کہیں بنیادی غذا آٹا ہے۔

اس طرح ہم نے عقائد نظریات بھی بطور رسم لیے ہیں۔ اب بنگال میں چاول بنیادی غذا ہے لیکن اگر کوئی بنیادی غذا کے طور پر چپاتیاں کھانا شروع کرے تو وہ اپنے آپکو ملامت نہیں کرتا اُسے کوئی کچھ نہیں کہتا، ٹھیک ہے ایک رواج ہے وہ اس کے خلاف کر سکتا ہے ٹھیک ہے۔

ہم نے دین بھی من جملہ رواجات کے لے لیا ہے ایک رسم تھی باپ دادا سے ہمیں مل گئی اب ٹھیک ہے ہمارے پاس ہے کبھی ہم اس کے مطابق عمل کر لیتے ہیں اس کے خلاف بھی کر لیتے ہیں تو کیا فرق پڑتا ہے

اگر ہم اس کا تجزیہ کر کے قبول کرنے کے فوائد یا چھوڑنے کے نقصانات حضورؐ کے ساتھ تعلق اس کی نوعیت، آپؐ کی رحمت و شفقت، آپؐ کا کرم اور آپؐ کے احسانات اور اپنی ضروریات ان سب کا تجزیہ کریں تو پھر جو ہمارے کردار پہ رونق آئے گی وہ ایسی قوت

پیدا کر دے گی جو ہمیں نکیل ڈالے گی اور ایک سمت کھینچتی چلی جائے گی کہ تم نے اس طرف جانا ہے اور اگر کوئی ساری زندگی یہ تجزیہ نہ کرے اپنے عقل و شعور کو استعمال نہ کرے تو اس کا اسلام رسمی رہے گا، کبھی نماز پڑھ لی، کبھی برائی کر لی، اس طرح سے وہ کبھی اس طرف کبھی اس طرف جھولتا جاتا رہے گا غرض اصل یہ ہے۔

مطالبہ کتاب اللہ کا یہ ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ لوگو صرف مانو نہیں مجھے ٹوٹ کر چاہو، اپنی محبتیں مختص کر دو میرے لئے شعوری اور عقلی محبتیں ایسی محبتیں جو جذباتی محبتوں پر غالب آجائیں کہ اگر چھوڑنا پڑے تو جذباتی محبت چھٹ سکے شعوری اور عقلی جو ہے یہ نہ چھوٹے، تب جا کر تکمیل ایمان اور ایمان کی حلاوت لذت نصیب ہوتی ہے۔

اللہ کریم ہم سب کو حاضر و غائب تمام احباب کو عامۃ المسلمین کو اس نعمت سے سرفراز فرمائے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حکمتِ قرآنی

مسلمانوں کی قومی زندگی و عروج کا اصل دور وہی تھا جب ان کی قومی و انفرادی مادی و معنوی، اعتقادی اور عملی زندگی پر اتحاد اور باہمی اخوت کی رحمت طاری تھی اور ان کے تنزل و ادبار کی اصل بنیاد اس وقت پڑی جب اتحاد و اخوت کی جگہ تفرقہ اور انتشار کی نحوست چھائی شروع ہو گئی۔

لوگ تنزلِ امت کے اسباب پر بحث کرتے، اور طرح طرح کی علتیں ٹھہراتے اور طرح طرح کے اصولوں سے موسوم کرتے ہیں حالانکہ قرآن و سنت اور عقلیات صادقہ کے نزدیک تنزل کے تمام فسادات نتائج صرف اسی ایک چیز کا نتیجہ ہے اس ایک حقیقت کو کتنے ہی مختلف ناموں سے پکارو مگر اصل علت اس کے سوا کوئی نہیں۔

لذتِ آشنائی

قادری

حضرت ابو رزینؓ نے عرض کیا "اے میرے آقا ایمان کیا ہے؟"

فخرالنبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان یکون اللہ و رسولہ احب الیکم مما سواھما" دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اللہ اور اس رسولؐ تمہیں محبوب ہو جائیں۔

ایک اور موقع پر اسی طرح کے سوال کے جواب میں فرمایا:

"لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہٖ و ولدہٖ والناس اجمعین" (بخاری و مسلم)

جب تک میں اس کے لیئے باپ اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں

ایک جگہ من نفسہا کے الفاظ بھی فرمائے کہ خود اس کی جان سے بھی زیادہ، مذکورہ بالا حالات گویا اصل ایمان ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت ہر مسلمان کے دل میں کسی نہ کسی حد تک تو پائی جاتی ہے، جس کا مشاہدہ نظامِ مصطفیٰؐ کی تحریک کے دوران ہم سب کر چکے ہیں۔ اسی محبتِ ایمانی کا کرشمہ ہے کہ ایک عام آدمی بعض اوقات اتنی بڑی جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ کر گذرتا ہے کہ علامہ اقبال نے اسی طرح کے ایمان کے مظاہرے پر ہی کہا "اسی ویکھدے رہ گئے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا"۔ غازی علم الدین شہید کی قربانی اسی جذبۂ ایمانی کی وجہ سے تھی۔

لیکن اس محبت میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ گویا ایمان بڑھتا اور گھٹتا رہتا ہے سعادت مند لوگ اس نعمت میں اضافہ کی

کوشش کرتے رہتے ہیں ۔ محبت کی اِس چنگاری کو پھونک مار مار کر سلگاتے ہیں ۔ اِس قیمتی جوہر کو ظاہر اور نمایاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ صحیح اور اسی طرح کی سچی محبت کا راستہ اختیار کرتے ہیں ۔ جس کا حکم اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ کی صورت میں دیا گیا ہے ۔ اسی کوشش کا نام "سلوک" ہے یہ محبت انہیں سارے لایعنی مشاغل چھڑا کر ذکر و اذکار اور نوافل وغیرہ میں مشغول کر دیتی ہے بندے کو اللہ کی رضا اور قرب تلاش کرنے کی دھن لگ جاتی ہے ۔ اسی کوشش کو اور تڑپ کو سیر الی اللہ کہتے ہیں ۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا مقصد لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت، آخرت کا یقین وغیرہ پیدا کرنا تھا جس کو تزکیہ نفس کہتے ہیں ۔ اس میں تزکیہ عقائد، تزکیہ اعمال اور تزکیہ اخلاق شامل ہے ۔ صوفیہ کرام اسی تعمیر الظاہر والباطن سے تعبیر کرتے ہیں ۔ جس کو حاصل کرنے کے لیے تین لازمی صورتیں ہیں ۔

۱ ــــ اتباع کتاب و سنت

۲ ــــ تزکیہ بالاذکار

۳ ــــ صحبت صالحین

بعض اوقات حقیقی محبت کی بجائے صورت محبت کا دھوکہ کھا کر لوگ اس میں پھنس کر رہ جاتے ہیں جو نعرہ بازی، شور و نمائش، تصنع و بناوٹ اور نجانے کن کن ذریعوں سے ظاہر کی جا رہی ہوتی ہے ۔ محبوبِ خدا کی محبت میں سنت کو بدعت میں بدل دیا جاتا ہے ۔ اپنی من پسند سے کانٹ چھانٹ ترمیم و اضافہ شروع کر دیئے جاتے ہیں ۔ آجکل جیسے ڈیزل میں مٹی کا تیل ملا لیتے ہیں ایسے ہی اللہ اور رسولؐ کی محبت میں اپنے نفس کی پسند شامل کر کے سب کچھ تباہ کر دیا جاتا ہے ۔ لیکن اس تباہی پر بھی خوشی کے شادیانے بدستور بجتے رہتے ہیں ـــ اس کو جہالت کہیے یا شرارت !!؟

سالک کی اپنی پسند تو کچھ رہتی نہیں محبوب کی ہر ادا اسے اتنی محبوب لگنے لگتی ہے کہ ہر نافرمانی سے خود بخود نفرت اور نیکی سے محبت ہو جاتی ہے ۔ جن چیزوں کو اس کے مالک نے ناپسند کیا ہے وہ بھلا اب اسے کیونکر پسند آ سکتی ہیں ـــ زندگی کے ہر فیشن، رسم و رواج سب کو اپنے مالک کی پسند پر قربان کر دیتا ہے ۔ اب اللہ کریم بھی اسکو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں جن کی کشش خود بندہ محسوس کرنے لگتا ہے یُحِبُّھُمْ کا یہ انعام فَاتَّبِعُوْنِیْ کے راستے پر چل کر یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ کے اصول کے مطابق ہی ملتا ہے

لیکن یہ سارا کچھ معلومات حاصل کر لینے سے نہیں ہوتا علم کا عمل سے اور الفاظ کا کیفیات سے تعلق تو ضرور ہے لیکن علم علماء سے اور عمل اہلِ قلب یا اہل اللہ ہی سے سیکھا جا سکتا ہے۔

اگر صرف ظاہری علوم پڑھ لینے سے تزکیہ ہو جاتا تو امام رازیؒ جیسے مشہورِ زمانہ عالم نیشا پور جا کر حضرت نجم الدین کبریٰؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہوتے۔ ان کے علم کا یہ کمال تو تھا کہ اس وقت بھی ایک ہزار طالب علم ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولینا محمد قاسم نانوتویؒ مولینا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد اشرف علی تھانوی جیسے محقق علماء بھی انہی کیفیاتِ ایمانی کے جوہر کو حاصل کرنے کے لئے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے حالانکہ مذکورہ سب لوگوں کی زندگی کا ہر لمحہ قرآن و حدیث کی تعلیم و تعلم اور تبلیغ دین میں صرف ہو رہا تھا چہ جائیکہ جو لوگ دینی علوم سے بے بہرہ سکول و کالج کے چند سرٹیفکیٹوں پر تکیہ کیئے اس قیمتی جوہر سے بے نیاز ہو رہے ہیں

حضرت امام حنبلؒ حضرت بشر حافیؒ کا بے حد ادب کرتے تھے کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں کتاب کا عالم ہوں اور وہ اللہ کے عالم ہیں۔

حقیقی علم

سنہ ۱۰۶ ہجری میں ہشام بن عبد الملک (اموی خلیفہ) حج کے دوران ایک مرتبہ بیت اللہ گیا۔ وہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت سالمؒ بھی موجود تھے۔ ہشام نے ان سے کہا کہ آپؒ کو کسی چیز کی ضرورت ہے تو ارشاد فرمائیں

حضرت سالمؒ نے جواب دیا کہ "اللہ کے گھر میں اللہ کے سوا کسی سے مانگنا شرم کی بات ہے۔" جب دونوں بیت اللہ سے باہر آ گئے تو ہشام نے کہا اب تو باہر آ گئے ہیں جو درکار ہو طلب کریں۔

حضرت سالمؒ: — میں تم سے کیا طلب کروں؟ دنیا کی چیز یا آخرت کی چیز؟

ہشام: — دنیا کی چیز

حضرت سالمؒ: دنیا تو میں نے اسکے مالک حقیقی سے بھی کبھی طلب نہیں کی پھر بھلا تم سے جو اسکے مالک بھی نہیں ہو کیوں طلب کروں

درسِ قرآن

قبلہ و کعبہ حضرت المکرم مدظلہٗ العالی

کشف و مشاہدہ ضروری ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وکلاً نقص علیک من انباء الرسل ما به فؤادک ....

وما ربک بغافل عما تعملون

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کمال یہ ہوتا ہے کہ ان کے قلوب تخلیقی طور پر جمالِ باری اور کمالاتِ باری کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں اور انہیں وہ قوتِ مشاہدہ حاصل ہوتی ہے جو صرف اور صرف دل کے اوصاف میں سے ہے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ نبی رحمت علیہ والہ وسلم کے پاس پہلی دفعہ جب جبرائیل امین آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں دیکھ رہے تھے۔ اُن کی بات بھی سن رہے تھے اور وہاں اگر کوئی دوسرا ہوتا بھی، اوّل تو وہاں تھا ہی کوئی نہیں اگر کوئی وہاں ہوتا بھی تو وہ نہ دیکھ پاتا نہ ان کی آواز سن پاتا۔ اور اُس کے بعد ہمیشہ حاضر ہوتے رہے کبھی وحی الٰہی لے کر اور کبھی زیارت و ملاقات کے لیے بھی۔ کیونکہ جتنا قرآن حکیم نازل ہوا اس میں دوسرا کوئی شخص ایسا گواہ نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ جب حضورؐ کو جبرائیل امین یہ پیغام سنا رہے تھے تو میں بھی سن رہا تھا واقعی بات ایسی ہی تھی یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تھا کہ وہ فرشتے کو دیکھتے بھی تھے فرشتے کی بات سنتے بھی تھے پیغام وصول بھی کر لیتے تھے اور پھر آپ ہی دوسروں

کو بتاتے تھے کہ فرشتہ یہ آیات لایا ہے۔

تو اتنا یقینی مشاہدہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کہ ایک شخص کے مشاہدے پر قیامت تک آنے والی انسانیت کے عقائد و اعمال کا مدار ہے قیامت تک آنے والے لوگوں کے تمام عقائد و نظریات کا اور تمام عبادات کا مدار صرف اور صرف ایک ہستی کے مشاہدے پر تھا۔ اتنا مضبوط مشاہدہ ہونے کے باوجود اس قدر کمالاتِ باری اور اس قدر تجلیاتِ باری کا قریبی مشاہدہ ہونے کے باوجود ارشاد ہوتا ہے۔

وکلا نقص علیک من انباء الرسل

کہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے احوال اور اُن کی باتیں نقص علیک آپ پر بیان فرماتے ہیں۔ یہ جو بیان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ذاتِ باری سے یا وحی الٰہی سے یا جبرائیل امین سے سنتے تھے تو یہ دل ہی کے کانوں سے سنا جاتا تھا اور دل ہی کی آنکھوں سے فرشتوں کو دیکھا بھی جاتا تھا اور آپ جانتے ہیں کہ دل کی نگاہ بہت وسیع ہوتی ہے اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کی نگاہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ آپؐ کی

بعثت سے لیکر قیامت تک آنے والی ساری انسانیت کی تمام نیکیوں اور اعمال کا مدار آپؐ ہی کی نگاہ پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدے پر ہے تو جب یہ تذکرہ ہوتا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن حالات کو اپنے روبرو ملاحظہ فرماتے تھے۔

چونکہ دل کی نگاہ جب کھلتی ہے تو اس کے لیئے ماضی حال مستقبل کوئی معنی نہیں رکھتا اور جس طرح اسے اشارہ کر دیا جاتا ہے اللہ کریم اُسے قوت دے تو پھر واقعات کو ان کی اصلی حالت میں دیکھتی ہے۔ اور پھر جب بیان من جانب اللہ ہو رہا ہو اور قلب اطہر ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تو یہ جو نقص علیک ہے جب اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے سامنے کسی بھی نبی اور رسول کا ذکر فرمایا یا بذریعہ وحی ارشاد فرمایا قرآن حکیم میں جو موجود ہے اس کے ساتھ یہ امر یقینی ہے کہ وہ سے حالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرما رہے تھے۔

اگر موسیٰ علیہ السلام کا اور طور کا اور نزولِ وحی کا ذکر ہوگا تو جب وہ ذکر ہو رہا ہوگا تو بات اگر فرشتہ لایا ہے تو فرشتے کی بات بھی تو حضورؐ کا قلب اطہر ہی سن رہا ہے فرشتے

کو بھی تو آپکا قلب اطہر ہی دیکھ رہا ہے تو جب قلب متوجہ ہوتا ہے تو جو بات چل رہی ہوتی ہے اس کی ساری تصویر اس پر واضح ہوتی چلی جاتی ہے اس ساری کو اپنے روبرو دیکھتا چلا جاتا ہے۔

تو جس ہستی کے مشاہدے پر ساری دنیا کے ایمانیات کا مدار ہے اس کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ یہ انبیاء و رسل کے قصص اور ان کے واقعات جو ہم نے آپؐ پر بیان فرمائے آپکو دکھلا تک دیئے گئے یہ اس لیے کیا گیا

ما نشیت بہا خوادث خصوصیات بشری جو ہیں وہ انبیاء سے بھی نفی نہیں ہو جاتیں نبیوں اور رسولوں کو بھی بھوک پیاس لگتی ہے گرمی سردی لگتی ہے صحت و بیماری ہوتی ہے زخمی ہوتے ہیں آرام و تکلیف میں پڑتے ہیں جو چیزیں انسانی ضرورت کی ہیں وہ ان کے حالات جو ہیں یہ اور بات ہے کہ ان کے کمالات اور ان کی قوت برداشت اور ان کے حالات جو ہیں ان کا عام انسان مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ غیر نبی، نبی کی جوتی کے خاک کے برابر بھی نہیں ہوتا لیکن اوصاف انسانی بتقاضائے بشریت نبی سے نفی نہیں کر دیئے جاتے۔ تو انسانی خصوصیات میں سے ایک بات ہے کہ اس کے دل کی بہت ہی کسی گہری جگہ بہت نیچے جا کر پھر کچھ کھٹ کھٹ رہ جاتی ہے آپ اسے دلائل سے سمجھائیں آپ اسے شواہد سے سمجھائیں، آپ اسے ایک بات بتائیں وہ آپکی بات مان بھی لے قبول بھی کر لے اس پر عمل بھی کر لے پھر بھی یہ انسانی مزاج ہے کہ دور کسی نہاں خانہ میں کسی وقت ایک شک ہی گزر جاتا ہے کہ یار مولانا کی بات تو مان ہی لی کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں گڑبڑ ہو وہ اس بات پر عمل بھی کر چکتا ہے اس کے باوجود یہ انسانی مزاج کا حصہ ہے کہ پھر بھی نہاں خانۂ دل میں انتہائی گہرائی میں چھوٹا سا شائبہ سا رہ جاتا ہے۔

تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ انبیاء و رسل کے حالات و واقعات ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیئے۔ بڑا مزے دار ترجمہ بنتا ہے نقص علیک کہ ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیئے اس لیے کہ وہ جو نہاں خانۂ دل میں بتقاضائے بشریت کسی لمحہ کوئی کھٹکا سا گزر جاتا ہے آپکو اس سے بھی محفوظ کر دیا جائے آپ خود ملاحظہ فرما لیں دوسرے نبیوں اور رسولوں کے حالات دوسری امتوں کے حالات و واقعات ان کے اعمال اور اس کے نتائج یہ سب جب آپ

اپنی قلب اطہر کی نگاہ سے دیکھ لیں گے تو وہ خطرہ بھی نہیں رہے گا کہ کس لمحے کوئی خیال آپکو معمولی سا خیال بھی آپکے قلب اطہر پہ گذر جائے تو حاصل آیت کریمہ یہ ہوا کہ دل کی روشنی کے لیئے محنت کرنا اور اللہ کی طرف سے مکاشفات و مشاہدات کا عطا ہونا ایمان کو کروڑوں درجے مضبوط کر دیتا ہے۔ جب مکاشفات کی ضرورت انبیاء رُسل کو ہے تو غیر نبی یا عام آدمی جو سُن کر جانتا ہے اور جو سُن کر جانتا ہے اور جو سُنے ہوئے کو دیکھنے کی قوت رکھتا ہے آن دونوں کے یقین میں کروڑوں میلوں کا فاصلہ ہے

تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ محنت و مجاہدہ جو صوفیاء نے اختیار کیا ہے یہ فضول نہیں ہے اور یہ بڑے قیمتی لوگ تھے اور انکی عمریں اور ان کے اوقات بڑے قیمتی تھے یہ بڑے اولوالعزم بڑے پُرہمت بڑے جفاکش اور بڑے پُرعزم لوگ تھے جنہوں نے اس وادی میں قدم رکھا۔ یہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں تھی اور اسے محض ایک جملے میں اُڑا دینا اور یہ کہہ دینا جی ان کی کیا ضرورت ہے۔ اتنی محنت کرنے کا کیا فائدہ۔ یہ بہت بڑی نادانی کی بات ہے ناسمجھی کی بات ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ بہت بڑی زیادتی ہے۔ جب انبیاء و رُسل میں جو طبعًا اور تخلیقًا معصوم ہوتے ہیں جن سے گناہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایمانیات اور یقینیات کے بارے میں اللہ کریم اُن کے فواد یعنی دل کی گہرائی کو مطمئن فرماتا ہے۔

جیسے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی بار الٰہا کیف تحی الموتیٰ، مردوں کو کیسے جلائیں گے کیسے زندہ کردیں گے فرمایا، اولم تومن تمہیں یقین نہیں ہے تو ایمان نہیں رکھتا قال بلیٰ تو کہنے لگے بالکل یقین رکھتا ہوں پختہ ایمان رکھتا ہوں اس بات پر یقین ہے کہ آپ مردوں کو زندہ کریں گے لیکن اگر دکھا دیں تو اس یقین میں یقینًا فرق پڑے گا۔ ولیطمئن قلبی وہ جو دل کی گہرائیوں میں جو ایک بات ہوتی ہے خدایا اگر مشاہدہ ہو جائے تو کھٹ کھٹ سے بھی نجات ملجائے اور دل میں اطمینان آجائے سکون آجائے تو اللہ کریم نے پُورا واقعہ ارشاد فرمادیا پرندوں کے ذبح کرنے کا اُن کو پہاڑوں پر پھینک دینے کا حکم دیا ارشاد ہوا ایک ایک کو بلاتے جاؤ، دیکھو کس طرح خون کے قطرے ٹوٹے ہوئے پر اور گوشت کے چھیچھڑے اُڑ اُڑ کر آتے ہیں اور جسم سلامت ہوجاتے ہیں غوا ہوں نے اس ایسے دیکھا کہ وہ مانتے بھی

تھے اُنہیں یقین بھی تھا۔ اور ابراہیمی یقین جو ہے وہ غیر انبیاء کی ساری تعداد کے ساتھ ساری انسانیت کے تولو تو پھر بھی اس کا وزن زیادہ ہے اس کے باوجود وہ جو ایک خصوصیت ہے انسان کی اور جو بشریت کا تقاضا ہے اس سے مفر نہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں آپ کے فرزند گرامی کا وجودِ اقدس تھا جب وفات پا گئے سیدنا ابراہیم تو آپ کی چشمانِ مبارک سے آنسوؤں کا ایک سیل رواں تھا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ رو رہے ہیں، فرمایا یہ تو شفقتِ پدری ہے مجھے کوئی شکایت تو نہیں ہے یہ تو ایک تقاضئے بشریت ہے اور ایک خصوصیت ہے آدمی کی کہ جو غیر اختیاری بات ہے۔

اسی طرح دل کی اتھاہ گہرائیوں میں ایک ہلکا سا اثر ضرور رہ جاتا ہے اور دل کی یہ خصوصیت ہے جب تک وہ خود کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کر لیتا جتنی مضبوط روایت بھی اس کے پاس ہو اس پر عمل بھی کر گذرتا ہے اس کو مانتا بھی ہے پھر کسی لمحے ایک سایہ سا دل پہ گذر جاتا ہے کہ یار کر تو سب کچھ لیا ہے شاید اسمیں خطرے کی کوئی بات ہو۔

تو اللہ کریم اپنے مقبول بندوں کو اس سے بھی لا تر نے جاتا ہے اور اس سے بھی نجات عطا فرما دیتا ہے جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو حضرت عزیز علیہ السلام کو حالات دکھائے جیسے آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ انبیاء و رُسل کے حالات و واقعات ہم نے آپ کے سامنے اس لئے رکھ دیئے لنثبت بہٖ فوادک کہ آپ کے دل کی وہ اتھاہ گہرائی جو ہے اس میں بھی ایمان جم جائے کسی لمحہ تھوڑا سا شائبہ بھی نہ گذرے۔

اس بات سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ عینی کو اس کی کتنی زیادہ ضرورت ہے۔ جب انبیاء اور اولوالعزم انبیاء۔ اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی ضرورت ہے تو ما وشما کس قطار میں ہیں۔ ہم تو اتنے نالائق ہیں کہ ہمیں اللہ قلب کی روشنی عطا فرما دیتے ہیں دل کی آنکھیں عطا فرما دیتے ہیں، مشاہدات ہو جاتے ہیں اس کے بعد ایسے بے نصیب اور بدبخت لوگ ہیں جو اپنے ان مشاہدات پر شک کر کے پھر تباہی میں جا گرتے ہیں یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جو خود دیکھ پاتے ہیں اُسے دیکھنے کے بعد اس پر پھر قائم نہیں رہتے اور پھر تباہ ہو جاتے ہیں۔

تو جنہیں ساری زندگی صرف سننا نصیب ہوا مشاہدہ نصیب نہیں ہوا اُن سے آپ بھی

امید رکھ سکتے ہیں کہ وہ نماز کے وقت نماز پڑھ لیں گے اور مسجد سے نکلیں گے تو گناہ کر لیں گے کیونکہ انہوں نے نماز کی عظمت کو بچشم خود نہیں دیکھا اور اس دیکھنے کے لیے تو دل کی آنکھ چاہیے تھی اور نہ انہوں نے گناہ پر جو غضب وارد ہوتا ہے یا اس سے جو کیفیت انسانی قلب کی ہوتی ہے یا اس سے جو کیفیت انسانی اعمال میں ہوتی ہے یا گناہ کرنے والوں پر جو ہیبت رہی ہے انہوں نے وہ دیکھا نہ یہ دیکھا۔ وہ بھی سنا ہی سنا یہ بھی سنا ہی سنا اور مادی حالات اور دنیوی لذات کو وہ دیکھ رہا ہے محسوس کر رہا ہے۔

تو یہ کتنا بڑا فرق پیدا ہو گیا اس کے عمل کرنے کے لیے کہ وہ سنی ہوئی بات پر جم جائے یا اس کی جو اپنی آنکھ دیکھ رہی ہے اس کو حاصل کرے اس کے سامنے ایک خوبصورت ماحول ہے ایک لذت سے بھرا ہوا کھانا ہے اس کے سامنے ایک دولت کا بھرا ہوا تھیلا ہے اور آپ اسے یاد کرا رہے ہیں ثواب عذاب کی جسے اس نے کبھی نہیں دیکھا مجھ سے سنا آپ سے سنا۔ سننے میں بھی بڑا فرق ہے ایک شخص نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتا ہے ایک شخص صحابہ سے سنتا ہے ایک شخص کسی ولی کامل سے سنتا ہے اس سننے کا بھی ایک اثر ہوتا ہے وہ دیکھا نہیں لیکن اس سننے پر جم جاتا ہے۔ اک سنانے والے بھی، جب میں اور آپ ہیں جنہیں خود یقین نہیں ہوتا۔ ہمارے مبلغ کی کمزوری یہ ہے کہ جو کچھ ہم دوسروں کو سناتے ہیں اس پر ہمیں خود یقین نہیں ہوتا پھر دوسرے کو کیا حاصل ہوگا۔

ایک دفعہ ایک بہت بڑے فاضل کی قبر پر جانے کا اتفاق ہوا اور ایک گونہ عقیدت سے حاضر ہوئے۔ بہت بڑے فاضل تھے اتفاقاً ادھر سے گذر ہو رہا تھا تو کہا چلو فاتحہ پڑھتے ہیں حاضری دیتے چلیں تو دیکھا یہ گیا کہ قبر میں تو تاریکی ہے بڑی حیرت ہوئی کہ خدایا ساری زندگی اس شخص نے مسجد میں گذاری ساری زندگی قرآن شریف پڑھانے گذار دی تو جب ان سے بات کی تو وہ بتلانے لگے کہ میں نے ساری عمر دین پڑھایا ہے اتنی بار میں نے قیامت کا تذکرہ کیا کہ مجھے وقوع قیامت کے بارے میں خود شک سا ہو گیا کہ ایسا ہو گا بھی یا نہیں۔ دوسروں کو پڑھاتا رہا ساری زندگی کہ قیامت قائم ہوگی ہمیں حساب دینا ہوگا ہمیں میزان عدل کے سامنے جانا ہے اور ان تفصیلات کو بار بار دہراتے خود یقین کھو بیٹھا۔ ایک آدمی ایک بات کو سن کر چلا جاتا ہے تو وہ کسی حد تک

کرنے پر اُنہیں کیوں غصہ آتا ہے اور اس بات پر کیوں فتوے دیئے جاتے ہیں۔ جو حقوق رب جلیل نے اپنی مخلوق کو دیئے ہیں کسی متنفس کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اُن سے چھین لے۔

آپ سب احباب سے میری یہ گذارش ہے کہ آپ اپنے گھروں میں اور آپ سب کو اجازت ہے ہر شخص اپنے گھر میں اپنی بیوی اور بیٹیوں اپنی بہنوں اپنی ماؤں اپنی رشتہ دار خواتین کو ذکر کرا سکتا ہے۔ انہیں ذکر کا طریقہ بتائیں انہیں لطائف کے مقامات بتائیں اور اُنہیں ذکر کرنا بتائیں گھروں میں رہیں آرام سے رہیں اور آپ حضرات کو اجازت ہے آپ انہیں ذکر کرا دیا کریں اگر کوئی لطائف والا ساتھی اپنے اہلِ خانہ کو ذکر کرائے گا تو انشاء اللہ اتنا ہی فائدہ ہوگا جتنا شیخ کی صحبت میں ہوتا ہے اس لیئے آپ ضرور اس طرف توجہ دیں ایک گذارش یہ بھی کرنا تھی کہ جن احباب پر ذمہ داری ڈالی جاتی ہے اُن سے دوسروں کی نسبت زیادہ توقعات وابستہ کی جاتی ہیں اور زیادہ اُمیدیں ہوتی ہیں اور اُن کی محنت پر دوسروں کا انحصار ہوتا ہے یہ سلسلہ تو بڑا عجیب چلتا ہے اور اس میں عجیب کیفیات ہوتی ہیں اگر شیخ تساہل کرے تو جہاں تک اس کی نسبت والے لوگ ہوں وہاں تک تساہل پھیل جاتا ہے اگر میں سحری کو اُٹھنا چھوڑ دوں تو ۹۹ فیصد حلقہ کے احباب کا سحری کو اُٹھنا محال ہو جائے گا یہ اس طرح سے اثر چلتا ہے اور اگر مجھے خدا توفیق دے تو جو اُٹھے گا نہیں وہ سو بھی نہیں سکے گا یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اگر کوئی انتہائی سستی کرتے ہوئے انتہائی تساہل کرتے ہوئے کسی نے بستر نہ چھوڑا تو نیند اس کی ضرور اُچاٹ ہو جائے گی انشاء اللہ اسی طرح جن احباب کو اللہ نے صاحب مجاز ہونے کے شرف سے نوازا ہے اُن کے کردار کا اثر بھی اُن کے حلقہ اثر میں پڑتا ہے۔ اس لیئے میری تمام صاحب مجاز حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کریں اُن کی سستی دوسروں پر سستی مسلط کرنے کا سبب نہیں بننی چاہیے۔

اجتماعات جو منعقد کیئے جاتے ہیں اُن میں آپ احباب کو موقع فراہم کرنا مقصود ہوتا ہے ایک تازگی حاصل کرنے کا ایک تحریک اور ایک جذبہ حاصل کرنے کا اور نیا ولولہ حاصل کرنے کا اس لیئے ضروری ہے جب اُن کے پروگرام آتے ہیں تو آپ احباب سے گذارش ہے کہ کوشش کر کے وقت نکالا کریں۔

صاحب مجاز احباب کا اجلاس ہو تھا بفضل اللہ اٹھارہ حضرات اس شرف سے مشرف ہیں اب تک جن میں سے نو احباب حاضر تھے اور یہ کوئی

اُس پر اعتماد رکھتا ہے ایک آدمی اُسی بات کو بار بار دہراتا رہے تو اگر اُسے اُسکے ساتھ مشاہدہ نصیب نہ ہو تو اکثر شک میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ آپ کسی طالب علم کو سائنس کا کوئی اصول ایک مہینہ دو مہینے تین مہینے ایک ہی اصول یاد کراتے رہیں اور اُسے تجربہ نہ کرائیں اُسے الفاظ یاد رہ جائیں گے وہ اس کی حقیقت سے اُس کا دل اُچاٹ ہو جائے گا اور خیال کرے گا کہ ایسا

تو میں نے بارہا یہ آیت کریمہ پڑھی ہوگی لیکن مجھے اس طرح سے یہ یاد نہیں تھی جب اُن سے ملاقات کے بعد میں اس آیت پر پہنچا اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا تو ان کی بات مجھے یاد آئی کہ وقوع قیامت میں کوئی ریب بھی کفر میں مبتلا کر دیتا ہے اور ریب شک کا انتہائی کمزور حصہ ہوتا ہے یعنی شک کا سب سے چھوٹا حصہ جو ہوتا ہے کم تر درجہ جو ہوتا ہے اُسے ریب کہتے ہیں اور وقوع قیامت میں اگر ریب میں بھی آدمی مبتلا ہو جائے تو یہ ایمان کی نفی کر دیتا ہے اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا یہ آیت میں نے ہزاروں مرتبہ پڑھی ہوگی لیکن اسکو اس نظر سے تب دیکھا اور میرے دل میں تب بیٹھی جب اُن سے بات ہو چکی

تو آپ اندازہ کریں کہ مشاہدہ نہ ہونے کا کتنا بڑا نقصان ہوا اگر یہ شخص صرف اس بات پر نہ بیٹھ رہتا کہ میں نے الفاظ یاد کر لئے ہیں کیفیات کو تلاش کرتا کسی ایسے شخص کو تلاش کرتا جو اسے دل کی روشنی عطا کرتا اور اس کے پاس مشاہدات بھی ہوتے دل کی روشنی ہوتی اور جو دوسروں کو بتاتا کم از کم اُسے اس کا مشاہدہ بھی ہوتا تو کتنی عظیم بات تھی سننے والوں پر اس کا اثر ہوتا اور وہ اس مصیبت میں خود گرفتار نہ ہوتا۔

تو یہ کہہ دینا ایک جملہ کہ یہ فضول ہے جی اس کی کیا ضرورت ہے اعمال جو ہیں قرآن و سنت میں موجود ہیں اُن کے مطابق نماز روزہ کرنا جو ہے یہ ضروری ہے یہ سب فضولیات ہیں ارے بھائی کوئی شخص یہ کہہ دے کہ انسان کے ہاتھ پاؤں ناک کا سلامت ہونا ضروری ہے اس میں رُوح رہے یا نہ رہے تو یہ کونسی عقلمندوں والی بات ہے کوئی شخص کہتا ہے مکان سے گر کر مر گیا اور دیکھنے والوں نے اسے ٹٹولا اور کہنے لگے شکر ہے اس کی ٹانگ یا بازو نہیں ٹوٹا ہاں ٹانگ یا بازو کی سلامتی کو یہ کیا کرے گا جب مر ہی چکا اب اُس کی طرف سے سارے بازو ٹانگیں چور چور ہو جائیں تو کیا سلامت

رہی تو کیا یہ تو یہ جو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ سب فضول ہے یہ بالکل ایسا ہی کہتے ہیں کہ وجود سلامت ہونا چاہیے رُوح کی ضرورت نہیں۔ اور اعمال کا بھی ایک جسد ہوتا اور ایک روح ہوتی ہے۔ اب آپ یہ دیکھیں کہ اُمت مرحومہ میں اوّل سے لیکر آج تک اس وادی میں اُن لوگوں نے قدم رکھا ہے جنہیں آپ یا جن پر آپ اور آپکی پوری قوم فخر کرتی ہے جو ارادوں کے مضبوط جو مجاہدے کرنے والے صبر کرنے والے اور صاحب علم اور صاحب عزم وہمت اور ورع وتقویٰ میں مثالی لوگ تھے تو کیا اُمت کے سارے لوگ ایک فضول کام پر متفق ہو گئے یہ بات بدکاروں کو سمجھ آ گئی، انکو سمجھ آ گئی جنکی عملی زندگی اُن کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور جن کی عملی زندگیاں مثالی اور سنت نبویؐ کے مطابق اور حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کا عشق اور آپ کی محبت اور آپ پر قربان ہونے کا جذبہ اُن کے ایک ایک بال میں موجود ہے۔ اُن کے نام اتنا وزن رکھتے ہیں ایک شخص کا نام ایک پوری قوم کو کھڑا کر دیتا ہے وہ جو کہا گیا ہے کہ ؎

ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند

یہ تو وہ زنجیر ہے جس میں دُنیا بھر کے سارے شیر جکڑے ہوئے ہیں کوئی کمزور آدمی تو اس میں رہ سکتا ہی نہیں۔

تو اسے اس طرح ایک جملے میں اُڑا دینا کہ یہ فضول ہے یہ بہت بڑی زیادتی ہے جب نوادر کے اثبات کیلئے انبیاء ورسل کو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کو ان کیفیات کی ضرورت ہے من جانب اللہ تو کیونکہ خصوصیات بشری ہیں تو ما وشما کو ذکر واذکار کی اور کیفیات و مشاہدات کی کروڑوں گنا زیادہ ضرورت ہے اور آپ خود اپنا تجربہ کر لیجئے اگر مشاہدہ نہ بھی ہوا ہو تو اذکار میں بیٹھ کر جو کیفیت نماز وروزہ اور آخرت پر یقین کی ہے کیا وہ ذکر سے پہلے نصیب تھی بات تو آدمی ساری پہلے بھی جانتا ہے ہم مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے لیکر موت مابعد الموت برزخ قبر حشر نشر قیامت جنت دوزخ سب کچھ ہم نے سُن رکھا ہوتا ہے مان رکھا ہوتا ہے لیکن جو ماننا اس کیفیت کو پا کر نصیب ہوتا ہے وہ اس کے بغیر نصیب نہیں ہوتا۔

اللہ کریم تمام احباب کو یہ دولت اور انعامات عطا فرمائے اور انہیں ثابت قدم رکھے اور تمام مسلمانوں کو اس کے حصول کی توفیق عطا فرمائے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

چراغِ مصطفویؐ

حافظ عبد الرزاق

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ لا یومن واللہ لا یومن قیل من یا رسول اللہ قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ

متفق علیہ

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم وہ ایمان نہیں لایا۔ تین دفعہ یہ الفاظ دھرائے تو عرض کیا گیا یارسول اللہ کون ایمان نہیں لایا۔ فرمایا وہ شخص جس کے شر سے اسکا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ میری بعثت کا مقصد یہی تو ہے کہ میں شرفِ انسانیت اور اخلاقِ حسنہ کی تعریف کر کے انسانی عظمت کی ان بلندیوں کا نقشہ پیش کر دوں جس سے آگے کسی بلندی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

انسانی عظمت کا راز زندگی کے دو پہلوؤں میں توازن، تناسب اور اعتدال کا نام ہے جس کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے کہ

یا یوں کہیے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اتنی فکر کہ انسان کسی حال میں ان کے تقاضوں کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ یہی مراد ہے تزکیہ نفس کی اور یہی مقصد ہے تزکیۂ باطن کا اور یہی غرض ہے ان اشغال و اوراد و مراقبات

کی جو تصوف و سلوک کا امتیاز تصور کرتے ہیں اور یہی معیار ہے اس مجاہدے اور ریاضت کا جو ایک سالک تزکیہ نفس کی خاطر کرتا ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہوا تو کچھ بھی نہ ہوا۔

اس سلسلے میں مذکورہ بالا حدیث میں حقوق العباد میں سے ہمسایہ کے حقوق کی اہمیت ظاہر کرتی ہے کہ جو شخص اپنے ہمسائے کو ذہنی جسمانی یا مالی ایذا اور نقصان پہنچانے کے درپے ہو اور ہمسایہ اس کے شر سے اپنے آپکو محفوظ نہ سمجھے تو ایسے شخص کا ایمان کا کوئی اعتبار نہیں نہ ہزار تسلی دے اور یقین دلائے سب اداکاری ہوگی۔ کیونکہ ایمان قلب کا فعل ہے مگر اس کا اظہار اور ثبوت تو اعضاء و جوارح پیش کرتے ہیں۔ اگر اس ایمان کے دعوے کے گواہ ہی جھوٹے ہوں تو دعویٰ کیونکر ثابت ہوتا ہے

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں جب دل میں انوار پیدا ہوا تو اعضاء و جوارح اس کی گواہی دیتے ہیں۔ یعنی تزکیۂ باطن کا ثبوت یہ ہے کہ انسان کی عملی زندگی میں تعظیم لامراللہ اور شفقت علی خلق اللہ کا اظہار ہونے لگے اور اگر ایک مسلمان پھر سالک ہر وقت اس دُھن اور فکر میں رہے کہ ہمسایہ کو کس طرح تنگ کیا جائے، اس کے سکون کو کیونکر تہ و بالا کیا جائے، بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کو کیسے پریشان کیا جائے تو اس کے مجاہدے اور اس کے مقامات و منازلِ سلوک کا اعتبار جب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ایمان کی نفی فرما رہے ہیں اور وہ بھی بقسم حلف اور بہ تکرار۔ اس لئے ہر مسلمان کو بالعموم اور ہر سالک کو بالخصوص اپنے عمل کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ حقوق العباد کے اعتبار سے خصوصاً اس حدیث کی روشنی میں ہمسایہ کے حقوق کے لحاظ سے وہ کہاں کھڑا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ مقاماتِ سلوک طے کر لینے کے وہم میں مبتلا ہو کر اتراتا پھرے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ایمان ہی کی نفی فرما دیں

اجتماع لنگر مخدوم

۲۲ سے ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۶ء سرگودہا

بس اڈہ سے احباب کی آمد کا انتظار ہوگا۔ آخری بس لنگر مخدوم کیلئے شام ۵ بجے روانہ ہوگی

۲۵ اکتوبر کوٹ میانہ، ۲۶ اکتوبر سرگودہا، ۲۷ بھکھر بار ۲۸ کو منارہ واپسی ہوگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطاب حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی

بموقع

اختتام سالانہ اجتماع دارالعرفان منارہ

۱۸ اگست ۱۹۸۶ء

آج کی اس مجلس میں میں وہ معروضات پیش کرنا چاہوں گا جو ہمارے لیے انتہائی اہم ہیں۔ ہمارا یہ آنا جانا مل بیٹھنا خالصتاً اور محض اللہ جل شانہٗ کی طلب اور اس کی رضا کے لیے ہے اور یہ اتنا مضبوط رشتہ ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ حادثہ حشر تمام اجسام اور تمام وجودوں کے ساتھ تمام رشتوں کو بھی فنا کر دے گا اور سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نسب کی کوئی حیثیت نہ ہوگی لیکن دو مسلمانوں میں وہ رشتہ کہ وہ صرف اللہ کے لیے جمع ہوئے ہوں اور اللہ کے لیے جدا ہو گئے ہوں اُن کا تعلق صرف اللہ اور اللہ کے ذکر کے لیے ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس رشتہ کو زلزلہ محشر بھی نہ توڑ سکے گا اور یہ وہ رشتہ ہے جو میدانِ محشر میں بھی بفضلِ تعالیٰ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ قائم رہے گا۔

لیکن یہ یاد رہے کہ بنیاد اللہ جل شانہٗ کی طلب ہو، دنیوی اغراض و مقاصد کو بنیاد نہ بنایا جائے۔ اصلاحِ شریعت میں کفر کی ایک قسم کو نفاق کہتے ہیں۔ منافق کافر ہوتا ہے اور عام کافر سے بدتر کافر ہوتا ہے۔ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار "بے شک منافق جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے"

جہنم میں جوں جوں کوئی زیادہ سزا کا مستحق ہوتا ہے اتنا ہی وہ گہرائی میں چلا جاتا ہے — تو کافروں سے نیچے منافقوں کی جگہ ہوگی اور عجیب بات ہے عام کافر دین کا انکار کرتا ہے اور منافق بظاہر دین و ضروریات دین کا اقرار کرتا ہے اور عبادات پر عمل کرتا ہے لیکن دل سے منکر ہے ایسے منافقین تاریخ میں موجود ہیں جو مدینہ منورہ میں رہے اور مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں اٹھتے بیٹھتے تھے تو پھر اس سب کے باوجود وہ اتنی سزا کے مستحق کیوں ہیں وہ اس لیئے کہ انہوں نے اللہ کے لیئے اور خلوص سے دین کو قبول نہیں کیا بلکہ دنیوی فوائد حاصل کرنے کے لیئے اسلام کو ذریعہ بنایا۔

نفاق اس حالت کا نام ہے کہ اللہ کے نام پر — دین کے نام پر — دین کو آڑ بنا کر اور دین کو سبب بنا کر اس سے دنیوی مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی جائے — تو اس رشتہ کو توڑنے والی صرف یہ چیز ہے — جو شخص بھی دنیا میں رہتا ہے اس کی دنیوی ضروریات بھی ہیں اور جن جن سے وہ ملتا ہے ان سے ہی وہ دنیوی ضروریات کی تکمیل کے اسباب و ذرائع تلاش کرتا ہے لیکن یہ ایک نازک سا رشتہ نازک سا فرق ہے اگر ملاقات کی غرض ہی دنیا ہو تو یہ نفاق ہے غرض دین اور اللہ کی رضا ہو اور دنیوی امور بھی ہوتے رہیں تو پھر کوئی حرج نہیں — لیکن اگر دنیا کی حیثیت دوسرے درجے میں ہو — دنیوی فائدہ ہو تو بھی تعلق قائم رہے دنیوی فائدہ نہ ہو تو بھی تعلق قائم رہے کیونکہ اللہ کے لیئے اور اللہ کے لیئے ہے اور اگر اس تعلق کو محض دنیوی فوائد سے منسلک کر دیا جائے تو یہ نفاق ہے اور یہ کفر کی بدتر قسم ہے۔

بحمد اللہ ہماری دعوت اللہ کے لیئے ہے — ہمارا ملنا اللہ کے لیئے ہے اور ہماری بچھڑنا اللہ کے لیئے ہے یہ اور بات ہے کہ ہم کمزور لوگ ہیں اور بہت زیادہ بعد زمانی کا سامنا ہے نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لیکن اس سب کے باوجود یہ رب جلیل کا احسان ہے کہ اس نے ہمارے دلوں کو وہ روشنی عطا کی جس نے صدیوں کے فاصلوں کو سمیٹ کر رکھ دیا اور یہ اس کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے وہ جرأت رندانہ دی جو زمین و زمان کی قیود کو کاٹتی چلی گئی — انشاء اللہ العزیز جن خوش نصیبوں کو اس عالم آب و گل میں بستے ہوئے

دارِ تکلیف میں رہتے ہوئے قربِ نبوی مجلسِ نبوی اور زیارتِ نبوی نصیب ہے دارِ جزا میں اُن سے کبھی چھینی نہیں جائے گی — اور یہ بہت بڑا مقام ہے۔ بڑے بڑے مجاہدہ کرنے والے لوگوں کی عمریں بیت گئیں کہ کبھی خواب میں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوں وہ لوگ کتنے خوش نصیب ہیں۔

کہ دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

جس ربِ جلیل نے احباب کو اس نعمتِ عظمیٰ سے نوازا ہے وہی ہم سب کو حفاظت بھی کرنے والا ہے لیکن ایک بات بنیادی طور پر یاد رکھیں نبوت اور ولایت میں ایک فرق ہے۔ نبوت شئے وہبی ہوتی ہے اور جو چیز وہبی ہو وہ موہوب لہٗ کی ذاتی صفت بنجاتی ہے اُس سے سلب نہیں ہوتی محض اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے اور نبی کی ذات کا وصف بنجاتی ہے — نبوت کبھی نبی سے جُدا نہیں ہوتی — کبھی چھینی نہیں جاتی لیکن ولایت کسبی ہوتی ہے انسان مکلف ہوتا ہے ایمان لانے کا عمل صالح کرنے کا اور بڑے سے بڑا درجہ جو ولایت کا ہے اُس کا مدار انسانی اوصاف پر رہتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ "بے شک اللہ تعالیٰ احسان والوں کے ساتھ ہے" "بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" "بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کے نزدیک ہے"

ولایت کے کسی مقام پر کھڑا ہوا کوئی بڑے سے بڑا ولی اللہ اپنے اوصاف میں تبدیلی پیدا کرتا ہے اُس کے عمل میں تبدیلی آتی ہے یا اُس کے عقیدے میں تو اوپر والے سارے حالات بدل جاتے ہیں جیسے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ صابرین کو اللہ جل شانہٗ کی ذاتی معیت حاصل ہے لیکن اگر صبر کرنے والے سے آپ نفس صبر کی نفی کر دیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ معیت باری کی نفی ہو جائے گی — اس لیے ہر قدم سنبھل کر اور احتیاط سے رکھا جائے اور ہر صبح جیسے آنکھ کھلے تو سب سے پہلا کلمہ جو منہ سے نکلے وہ اللہ کی عظمت — اللہ کے نبی کی صداقت اور طلب استقامت کا ہو اور ہر شام جب آنکھ بند ہو تو اپنے دن کے سفر پر نگاہ کریں اپنی

کوتاہیوں اور کمزوریوں کے لیئے اللہ سے معافی چاہیں اور اپنی عبادات کی قبولیت کی استدعا کریں کوئی شام بھی زندگی کی آخری شام ہو سکتی ہے اور کوئی صبح بھی زندگی کی آخری صبح ہو سکتی ہے۔

دُنیا میں رہتے ہوئے دارِ تکلیف میں رہتے ہوئے محنت کی ضرورت ہے

ومن طلب العلیٰ بغیر کد
اضاع العمر طلب المحال

(جس شخص نے محنت کے بغیر عظمت کو پانا چاہا، اس نے ایک لا محال کی اُمید میں ضائع کر دی)

ہر شخص ایک جتنا مجاہدہ نہیں کر سکتا اور اللہ کریم اس کا مطالبہ بھی نہیں فرماتے جتنی ہمت ہے جتنی طاقت ہے اُتنا ضرور کیا جائے۔ آپ نے دہقانوں کو دیکھا ان کے پاس الارم والی گھڑیاں نہیں ہوتیں لیکن یہ اکثر سحری کو اُٹھ جاتے ہیں اور عام لوگ جب اُٹھتے ہیں تو یہ دو دو کھیتوں میں ہل چلا چکے ہوتے ہیں انہیں پتہ ہے کہ ہمیں اُٹھ کر یہ کام کرنا ہے تب ہم فصل بیجنے کے قابل ہونگے اور تب ہم فصل اُٹھانے کے قابل ہوں گے اور یہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے ہیں اور آپ سب دہقان ہیں اس میں جتنی محنت کریں گے رب جلیل اس سے کئی زیادہ گنا عنایات و عطایات سے نوازیں گے

یہ چالیس روزہ اجتماع اس لیئے رکھا جاتا ہے کہ طالبین کو بیک وقت مسلسل توجہ مسلسل صحبت شیخ مسلسل اذکار کا اتنا موقع فراہم کرنا جائے کہ کوئی خلوصِ قلب سے محنت کرنا چاہے تو اللہ کریم اس چلہ میں اُسے بارگاہِ نبوی تک پہنچنے کا شرف عطا فرما دے، جن کے نصیب میں تھا اُن کی تعداد بحمد اللہ چالیس سے متجاوز ہو گئی اور وہ اس اجتماع میں بارگاہِ نبوی کی حضوری سے مشرف ہوئے لیکن ایک بات کا شکوہ میرے دل میں رہتا ہے کہ احباب کما حقہٗ استفادہ نہیں کر پاتے اور بیشتر احباب کی حاضری کے دن بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں شاید اگلے سال تک یہ کارگاہِ حیات ہمیں فرصت دے یا نہ دے اور آنے والا سال اور آنے والا اجتماع خدا جانے کن خوش نصیبوں کی قسمت میں ہو۔ اس لیئے میری گذارش یہ ہے کہ آئندہ سال کے اجتماع کی تیاری اب سے کرنا شروع کر دیجئے اپنے پروگراموں میں اپنی مصروفیات میں اجتماع حاضری کے لیئے آج سے فرصت تلاش کرنا شروع کیجئے

یاد رکھیں اسلام بہت خوبصورت طریقے سے زندگی گذارنے کا نام ہے اسلام زندگی میں حسن ترتیب کا نام ہے، اسلام زندگی کو ضائع کرنے

نام نہیں ہے اپنی زندگی کو ایک ضابطے اور ایک پروگرام کا پابند بنائیے اور آج سے یہ اندازہ کر لیجیے کہ آئندہ سال انہی دنوں میں انشاءاللہ جب اجتماع ہوگا تو میں اپنی دنیوی ضروریات کو کچھ پہلے کر لوں کچھ مؤخر کر دوں تاکہ میرے پاس کچھ وقت بچ سکے کہ میں ان جھمیلوں سے فارغ ہو کر کچھ لمحے محض اللہ کی رضا کے لیے اللہ کی یاد میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری کے لیے محنت کرنے میں بسر کروں گا۔

مجھے صرف خوشی نہیں ہے فخر ہے اللہ کے احسان پہ اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس اجتماع میں آٹھ دس بچیوں اور بیبیوں کو بھی نہ صرف مراقبہ فنا فی الرسول نصیب ہوا بلکہ واضح مشاہدات عطا ہوئے اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئیں اور تاریخ تصوف میں صدیوں بعد یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے کہ اس گئے گذرے زمانے میں ایسے افراد پیدا کرنا یہ محض اللہ کی عطا ہے ایک ایک بچی ایک ایک بی بی، ایک ایک خاندان کی قسمت ہوا کرتی ہے اور خوش نصیب ہیں وہ والدین، وہ بھائی وہ خاوند وہ بچے جن کو ایسی عظیم عورتوں سے نسبت حاصل ہے۔

اس بات کا خیال رکھیے کہ مرد و عورت تکلیف شرعی میں برابر ہیں کوئی فرق نہیں جیسے مرد کو اعمال کا حساب اللہ کے حضور دینا ہے ویسے ہی عورتوں کو اعمال کا حساب اللہ کے حضور دینا ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں کے حقوق کے متعلق بارہا تاکید فرمائی حتیٰ کہ اپنی وصیت میں بھی آخری خطبہ میں بھی حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی عورتوں کے حقوق کی طرف توجہ دلائی اور عورتوں کے حقوق میں صرف یہ نہیں ہے کہ وہ ہمارا باورچی خانہ چلائیں اور ہم انہیں کھانا اور کپڑا دیں یہ بات نہیں ہے بلکہ جس طرح ہمارا اپنا دین مقدم ہے اسی طرح عورتوں کا دین بھی سب سے پہلی ضرورت ہے انکی اور جو باپ جو بھائی جو خاوند جو بیٹا بیوی، ماں اور بہن کے دین کی طرف اس کی مدد نہیں کر سکتا وہ انکے ساتھ انصاف نہیں کر رہا۔

مجھے حیرت ہوتی ہے ان نعمتوں پہ میں ان سے خفا نہیں ہوں اس لیے کہ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق اور اپنی استعداد کے مطابق بات کرتا ہے لیکن حیران ضرور ہوتا ہوں کہ بیبیوں کو کلب جانے سے نہیں روکتے، بازاروں میں ننگے سر پھرنے پر فتویٰ کوئی نہیں دیتا اور حیرت ہوتی ہے کہ انہیں ناچنے گانے سے منع نہیں کرتے بلکہ سنتے ہیں خوش ہوتے ہیں، لڑکیاں کھیلتے بھاگتے دوڑتے منع نہیں کرتے پتہ نہیں اللہ اللہ

کرنے پر انہیں کیوں غصہ آتا ہے اور اس بات پر کیوں فتوے دیئے جاتے ہیں۔ جو حقوق رب جلیل نے اپنی مخلوق کو دیئے ہیں کسی متنفس کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ ان سے چھین لے۔

آپ سب احباب سے میری یہ گذارش ہے کہ آپ اپنے گھروں میں اور آپ سب کو اجازت ہے ہر شخص اپنے گھر میں اپنی بیوی اور بیٹیوں اپنی بہنوں اپنی ماؤں اپنی رشتہ دار خواتین کو ذکر کرا سکتا ہے۔ انہیں ذکر کا طریقہ بتائیں انہیں لطائف کے مقامات بتائیں اور انہیں ذکر کرنا بتائیں گھروں میں رہیں آرام سے رہیں اور آپ حضرات کو اجازت ہے آپ انہیں ذکر کرا دیا کریں اگر کوئی لطائف والا ساتھی اپنے اہل خانہ کو ذکر کرائے گا تو انشاء اللہ اتنا ہی فائدہ ہوگا جتنا شیخ کی صحبت میں ہوتا ہے اس لیئے آپ ضرور اس طرف توجہ دیں ایک گذارش یہ بھی کرنا تھی کہ جن احباب پر ذمہ داری ڈالی جاتی ہے ان سے دوسروں کی نسبت زیادہ توقعات وابستہ کی جاتی ہیں اور زیادہ امیدیں ہوتی ہیں اور ان کی محنت پر دوسروں کا انحصار ہوتا ہے یہ سلسلہ تو بڑا عجیب چلتا ہے اور اس میں عجیب کیفیات ہوتی ہیں اگر شیخ تساہل کرے تو جہاں تک اس کی نسبت والے لوگ ہوں وہاں تک تساہل پھیل جاتا ہے اگر میں سحری کو اٹھنا چھوڑ دوں تو ۹۹ فیصد حلقہ کے احباب کا سحری کو اٹھنا محال ہو جائے گا یہ اس طرح سے اثر چلتا ہے اور اگر مجھے خدا توفیق دے تو جو اٹھے گا نہیں وہ سو بھی نہیں سکے گا یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اگر کوئی انتہائی سستی کرتے ہوئے انتہائی تساہل کرتے ہوئے کسی نے بستر نہ چھوڑا تو نیند اس کی ضرور اچاٹ ہو جائے گی انشاء اللہ اسی طرح جن احباب کو اللہ نے صاحب مجاز ہونے کے شرف سے نوازا ہے ان کے کردار کا اثر بھی ان کے حلقہ اثر میں پڑتا ہے۔ اس لیئے میری تمام صاحب مجاز حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کریں ان کی سستی دوسروں پر سستی مسلط کرنے کا سبب نہیں بننی چاہیے۔

اجتماعات جو منعقد کیئے جاتے ہیں ان میں آپ احباب کو موقع فراہم کرنا مقصود ہوتا ہے ایک تازگی حاصل کرنے کا ایک تحریک اور ایک جذبہ حاصل کرنے کا اور نیا ولولہ حاصل کرنے کا اس لیئے ضروری ہے جب ان کے پروگرام آتے ہیں تو آپ احباب سے گذارش ہے کہ کوشش کر کے وقت نکالا کریں۔

صاحب مجاز احباب کا اجلاس جو تھا بفضل اللہ ۱۸ اٹھارہ حضرات اس شرف سے مشرف ہیں اب تک جن میں سے نو احباب حاضر تھے اور یہ کوئی

اچھی بات نہیں ہے دُنیا میں کوئی زندہ اِنسان ایسا نہیں ہے جو دُنیا سے فارغ ہو دُنیا سے فراغت حاصل کرنا پڑتی ہے اور یہ اچانک نہیں مِل سکتی آپ اپنے اوقات میں ایک حُسنِ ترتیب پیدا کریں اور اُمورِ دُنیا کو ترک نہ کریں لیکن ان کو اِدھر اُدھر رکھ کر درمیان میں اجتماعات کیلئے وقت نِکال لیا کریں، میں اُمید کرتا ہُوں کہ انشاء اللہ اگلے اجلاس میں حاضری سو فیصد ہوگی۔

اِسی طرح وہ احباب جن کے ذمہ ضلع کی سطح پر ذمہ داریاں ہیں اور ضلعی امراء ہیں اُن حضرات کی تعداد ہمارے ہاں اکتالیس ہے بفضلِ اللہ اکتالیس ضلعوں میں ضلعی سطح پر ضلعی امراء موجود ہیں اُن کی حاضری اجلاس میں اکتالیس میں سے سولہ تھی جو ایک بہت ہی کم حیثیت رکھتی ہے اگلا اجلاس صاحب مجاز حضرات کا بھی اور ضلعی امراء کا بھی لنگر مخدوم کے اجتماع میں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے حضور ہوگا اور میں بجا طور پر آپ حضرات سے اُمید رکھتا ہُوں کہ صاحب مجاز حضرات بھی اور ضلعی امراء احباب بھی انشاء اللہ سارے کے سارے تشریف لائیں گے تاکہ مشائخ کے حضور بیٹھ کر ذکر و اذکار کی محفل بھی ہو اُن کے پاس کوئی تجاویز ہوں سلسلے اور دین کے احیاء کے بارے میں تو وہ پیش کر سکیں یا کچھ معروضات مرکز کے پاس ہوں تو وہ اُن تک پہنچائی جائیں

ہفت روزہ رُوحانی تربیتی پروگرام دوران سال ہوتے ہیں اور آپ یہ یاد رکھ لیں کہ میں نے فنا فی الرسول کا مراقبہ کرانے کے لیئے یہ شرط لگائی ہے کہ آئندہ اُن احباب کو کرایا جائے گا جو ان ہفت روزہ اجتماعات میں شرکت کریں گے چونکہ جیسا میں نے کل عرض کیا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضوری کے خاص آداب ہیں اُن میں کم از کم یہ ہے کہ ضروریات دین سے واقف ہو حلال و حرام کی تمیز ہو اور جائز و ناجائز اور روزمرہ پیش آنے والے اُمور یا وضو نماز کے مسائل سے ضرور آگاہ ہونا چاہیے اور اِس آگاہی کے لیئے یہ ہفت روزہ تربیتی پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں اب تک جو اجتماع ہو چکے ہیں یا دوران اجتماع جو پروگرام چلائے گئے اُن میں ایک سو اٹھارہ احباب نے شرکت کی، الحمدللہ کہ گذشتہ آٹھ ماہ میں ایک سو اٹھاون حضرات کو شرف حضوری بھی نصیب ہوا ہے۔

یہ میں اِس لیئے عرض کر رہا ہُوں کہ سب آئیں اور سب حاصل کریں، اسی سال روحانی تربیتی پروگرام اور منعقد ہونگے، ۱۲ سے ۱۹ ستمبر تک، ۱۰ سے ۱۷ اکتوبر تک اور ۱۴ سے ۲۱ نومبر تک، اگلے سال کا پروگرام ناظم اعلیٰ جاری کریں گے، کوشش کریں نہ صرف

وہ احباب جو طالب ہیں حضوری کے بلکہ وہ بھی جو شرف حضوری سے مشرف ہیں ضرور تشریف لائیں اور اپنے لیے دین کے لیے سلسلہ عالیہ کیلئے وقت نکالیں

بحمد اللہ ہم نے اگرچہ تاخیر سے کیا ہے لیکن یہاں اکادمی کا اجراء اللہ کے بھروسے پر کر دیا ہے اس کی اجمالی تصویر یہ ہے کہ ہم نویں جماعت کے بچے لیں گے' ان کی تعلیم کا سلسلہ ہم روایتی سکولوں میں جاری رکھیں گے' نصاب تعلیم وہ عام بچوں کے ساتھ عام سکول میں بیٹھ کر پڑھیں گے یہاں سے اکادمی انہیں سکول تک پہنچائے گی اور واپس لائے گی، ان کے باقی دن اور رات کے معمولات کو ہم نے اس طرح سے ایڈجسٹ کیا ہے کہ ایک صحت مند ماحول میں ایک دینی فکر ذہن میں پیدا ہو جسمانی ذہنی ہر لحاظ سے صحت مند بچے تیار ہوں ہم ایسے بچے فراہم کر سکیں جو معاشرہ میں اچھی جگہوں پر جائیں اور ان کی تعلیم دنیوی اعتبار سے بھی مکمل ہو اور دینی اعتبار سے بھی۔ ہم انہیں ایف اے تک یہاں رکھیں گے اس کے بعد لاہور مرکز انشاء اللہ تیار ہو جائے گا۔ اس ضمن میں میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ جو روایتی کالجوں اور سکولوں سے علیحدہ کر کے پڑھایا جاتا ہے ان میں وہ جرأت پیدا نہیں ہوتی جو عام سکول کے طالب علموں میں ہوتی ہے، ان میں ایک جھجک سی رہتی ہے انہیں معاشرہ سے کٹ کر صحیح تربیت نہیں دی جا سکتی۔

ہم نے اساتذہ کے لیئے اشتہار دیا ہے آپ احباب سے بھی گذارش ہے کہ اگر آپ کسی ایسے ادارے سے واقف ہوں جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو اور یہاں آ کر خدمات انجام دینا چاہے تو اس کی درخواست ضرور بھجوایئے اسناد ساتھ ہونی چاہیے تجربے کے متعلق ضرور بتایا جائے کہ اسے کتنا تعلیمی تجربہ ہے۔

جو احباب بچوں کو یہاں داخل کروانا چاہیں بشرطیکہ بچے ذہین ہوں اور وہ تعلیمی اخراجات نہ برداشت کر سکتے ہوں تو اس کے اخراجات ادارہ برداشت کریگا اور جو احباب اخراجات برداشت کر سکتے ہیں وہ اپنے اخراجات ادارے کے ضابطے کے مطابق ادا کریں گے اس کے بعد ایک اور فیصلہ کیا ہے میں نے اور وہ میری مجبوری ہے کہ روایتی پیروں کی طرح مجھے نرا تعویذوں پر نہ لگا دیا جائے میرے پاس اتنی فرصت نہیں ہوتی اور مجھے روزانہ کم از کم ایک گھنٹہ خطوط کے جوابات دینے پر لگانا پڑتا ہے اور کسی دن اگر ناغہ ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسرے دن دو گھنٹے لگیں گے، جو لوگ ذکر کرتے ہیں جن لوگوں کو شرف بیعت حاصل ہے وہ ہماری ذمہ داری میں ہیں وہ اپنا ہر دکھ بیان کریں

اور ہر تکلیف کے لیئے تعویز مانگیں ۔ علاج مانگیں تو میں حاضر ہوں لیکن روایتی پیر بنا کر اپنے دوستوں دُور پار کے رشتہ داروں ہر کس وناکس کے لیئے مجھے نہ لکھا جائے اور ہر کسی کو میں تعویز لکھ کر دینے کی فرصت نہیں پاتا ان احباب حلقہ جو ہیں جنکو شرف بیعت حاصل ہے وہ اپنے لیئے یا اپنے گھر کے لیئے چاہیں تو میں حاضر ہوں لیکن ایسے خطوط بے شمار آتے ہیں کہ میرا فلاں فلاں ۔ ضرور ہوگا لیکن میری ذمہ داری تو صرف آپ ہیں اس شخص کے لیئے مانگیں جن کو شرف بیعت حاصل ہے جو اللہ اللہ کرتا ہو جو ذاکر ہو وہ رہنمائی بھی چاہے علاج بھی چاہے ہماری ذمہ داری ہے ۔ لیکن جو اس سفر حیات میں ہمارا ہمسفر نہیں ہے ہم اپنا سفر چھوڑ کر واپس جاکر اس کا علاج کرنے کی فرصت نہیں پاتے ۔ میں بجا طور پر امید کرتا ہوں کہ آپ حضرات اس کی پابندی فرمائیں گے اور ناراض بھی نہیں ہونگے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں میں تو ایک مشت غبار ہوں میری فضیلت صرف یہ ہے میں مشائخ بالا اور آپ کے درمیان واسطہ ہوں تو جب کبھی بھی مشائخ بالا سے گذارش کرتا ہوں تو وہ بڑی سادہ سی بات کرتے ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے بیگانے ریوڑ مت چرایا کرو ۔۔۔ بڑا سادہ سا ایک ہی جملہ ہے وہ کہتے ہیں ہر چرواہا اپنے ریوڑ کا ذمہ دار ہوتا ہے تم ہمیں بیگانوں کے لیئے مت کہا کرو ۔۔۔ میں نے وہ بات آپ تک پہنچا دی ہے اور امید کرتا ہوں کہ آپ بھی اس کا ضرور لحاظ رکھیں گے ۔

آپ کے ادارے کے حسابات جو ہیں ان کا اس سال کا آڈٹ بھی بحمد اللہ مکمل ہو چکا ہے اور میں ایڈیٹر حضرات سے یہ گذارش کرونگا کہ اگر کوئی بات انہیں قابل اعتراض نظر آئے ہے اس حساب میں جو میرے پاس ہے جو میں کرتا ہوں یا اس حساب میں جو میرے علاوہ کسی بھی ہستی کے پاس ہے تو وہ کسی قابل اعتراض بات کو مجلس عاملہ سے نہیں چھپائیں گے اور اُسے برملا عام دوستوں کے سامنے نہیں مجلس عاملہ کے سامنے نہیں چھپائیں گے اب یہ مجلس عاملہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا نوٹس لے اور بحمد اللہ آپ متفکر نہ ہوں کیونکہ مجھے امید ہے کہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہوگی انشاء اللہ ۔

ہم نے ادارے کی سہولت کے لیئے تمام حسابات کو پھر نئے سرے سے ترتیب دیکر اُن کے نئے اکاؤنٹ بنائے ہیں نئے اکاؤنٹ نمبر جو ہیں وہ آپ حضرات ناظم اعلیٰ سے حاصل کر سکتے ہیں اور آپ ادارے کی جو امداد کرنا چاہیں ترسیل زر کے لیئے وہ ہر مد کے علیحدہ اکاؤنٹ نمبر ہیں نشر واشاعت کا جو شعبہ ہے اس کا علیحدہ نمبر ہے

اسی طرح "المرشد" کا جو شعبہ ہے اُس کا اکاؤنٹ نمبر علیحدہ ہے، دارالعرفان کے جو فنڈز ہیں مسجد کے اُن کا اکاؤنٹ نمبر علیحدہ ہے اور اکادمی اکاؤنٹ نمبر علیحدہ ہے، اب جس مد میں جو شخص جتنی بھی ترسیل زر کرنا چاہے تو آپ حضرات کو چاہیے کہ آپ وہ اکاؤنٹ نمبر حاصل کریں اور اُس کے مطابق اس اکاؤنٹ میں آپ چیک یا ڈرافٹ بھیج دیں۔ اگر کہیں نمبر کسی کے پاس نہ ہو تو چیک یا ڈرافٹ یا نقد بھیجنا پڑے تو اُس کے ساتھ اُس کی تفصیل دیں کہ یہ رقم کونسی مد میں جانی چاہیے، انشاء اللہ اُسے اُسی مد میں جمع کرا دیا جائے گا۔

ایک بات خاص طور پہ یاد رہے کہ المرشد ہمارا آپس میں بات کرنے کا ایک ذریعہ عطا فرمایا ہے رب جلیل نے، میں نے احباب سے درخواست کی تھی اور الحمد للہ ساتھیوں نے محنت کر کے آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ پچھلے تین چار مہینوں میں انہوں نے المرشد کو سنوارنے میں بہت اچھا کردار ادا کیا ہے بحمد اللہ ظاہراً سے لیکر کتابت تک اور مضامین اور اُنکی ترتیب تک الحمد للہ بہت محنت سے اُسے سنوارا گیا ہے اس کی بنیاد نفع و نقصان پہ نہیں ہے لیکن اُس کی حیات کیلئے آپ حضرات کا اُس کو خریدنا اور پڑھنا ضروری ہے اور میں صرف یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ ہر وہ ساتھی جو حلقہ سے بیعت کا شرف رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ اپنے لیئے المرشد ضرور منگوایا کرے اور باقاعدگی سے اُس کا چندہ دیا کرے اور اس کا چندہ نفع بخش نہیں ہے جیسا کہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ طرح طرح کے اشتہاروں سے اخراجات پورے کرتے ہیں اسے ہم نے اشتہاروں کی نظر بھی نہیں ہونے دیا بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو سطر بھی چھپے وہ آپ حضرات کے علم میں اضافے کا سبب ہو اور رہنمائی کا فریضہ انجام دے تو میرے خیال میں آپ المرشد کو اشتہاروں کی طرف نہیں جانے دیں گے باقاعدگی سے اسے منگوایئے اور اسے پڑھیئے۔ صرف منگوانا کافی نہیں ہے غور سے پڑھیئے۔ آپکو عام اجازت ہے کہ اس کے لیئے آپ کوئی تجاویز بھیجنا چاہیں کوئی ایسی بات آپکی نظر سے گذرے جو اصلاح طلب ہو تو آپ ضرور لکھیئے مجھے براہ راست لکھیئے جس طرح بھی آپ لکھیں ہم حاضر ہیں آپکو عام اجازت ہے۔

وقتاً فوقتاً مطبوعات آتی رہتی ہیں آپ احباب ادارے کی اور حلقہ کی کتب جو ہیں اُن کا خیال فرمایا کریں انہیں خریدیں اور دوسرے احباب کو بھی متعارف فرمائیں یہ بات کو پہنچانے کا مضبوط ذریعہ ہیں خصوصاً ضلعی امراء حضرات جو ہیں وہ ادارے

کی کتابوں کے سٹاک لیجایا کریں اور اپنے پاس رکھا کریں اور انہیں لوگوں تک پہنچایا کریں۔

آپ حضرات کے پاس جو ضلعی فنڈ ہوتا ہے اُس فنڈ میں سے ادارے سے کتابیں خرید لیں اور بیچ کر اپنا فنڈ پورا کرتے رہیں تو ادارہ آپکو کچھ فی صد رعایت دے گا جو رقم ضلع کے فنڈ میں چلی جائے گی اور اس طرح سے دو کام ہو جائیں گے ادارے کی کتب کی سیل ہو گی لوگوں تک دعوت پہنچے گی آپ کے ضلعی فنڈ پر بوجھ نہیں پڑے گا بلکہ اُسے کسی حد تک مدد ملجائے گی۔

یہ چند بنیادی اور ضروری گذارشات تھیں جو میں نے آپ تک پہنچانا چاہتا تھا آپ اس تعلیمی سلسلے کے متعلق اکادمی کے متعلق مزید تفصیلات جاننا چاہیں تو متعلقہ حضرات سے یا ناظم اعلیٰ صاحب سے اس کے متعلق مزید تفصیلات حاصل کر سکتے ہیں۔ ان گذارشات کے ساتھ آئیے ہم سب مل کر پوری عجز و نیاز مندی کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے اپنے لیئے احباب کے لیئے قوم و ملک کے لیئے دین کے لیئے اور دُنیا کے لیئے زندگی موت اور مابعد الموت کے لیئے اللہ کریم سے عافیت و سلامتی چاہیں اور دعا کریں

و آخر دعونا ان الحمد للہ
رب العالمین

فلاح و نجات کا راستہ

آج اور ہر دور کی پریشان حال اور خود ساختہ مسائل کے گرداب میں اُلجھی ہوئی انسانیت کی دنیوی و آخروی فلاح اللہ تعالیٰ کے آخری رسولِ مقبول نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع اور اطاعت میں ہے قلب و ضمیر کی روشنی اسی آفتاب ہدایت کی ضیاء پاشیوں سے فیض یاب اور سیراب ہونے سے ممکن ہے تمام نعمتیں، راحتیں اور امن و سکون اسی درِ اقدس سے تقسیم ہوتی ہیں، بلا شبہ پوری انسانیت کی فلاح و نجات کی ضمانت کا یہی واحد راستہ ہے۔

"قادری"

جنت کے باسی

حواری رسول

صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم

غزوۂ احد میں طلحہ بن ابی طلحہ عبدری مشرکین کا جھنڈا اٹھائے آگے بڑھا اور مقابلے کے لئے آواز دی لوگ اس سے ٹھٹھک رہے تھے (یونس بن اسحاق)

حضرت زبیرؓ مقابلے کے لئے نکلے سامنے سے اس کا وار خالی دیا وہ اونٹ پر سوار تھا اور آپ پیدل! لیکن قد کاٹھ کے لمبے تھے اور خاص کر ٹانگیں خاصی لمبی تھیں گھوڑے پر بیٹھتے تو پاؤں زمین کے قریب پہنچ جاتے اب جست لگائی اور طلحہ ہی کے اونٹ پر سوار ہو گئے اسے اٹھا کر اونٹ سے نیچے صرف زمین پر ہی نہیں بلکہ جہنم کے بھی کہیں نچلے طبقے میں پھینک دیا۔ شہنشاہ دوجہاں نے زبیرؓ کی تعریف فرمائی اور فرمایا "اگر زبیرؓ اس کے مقابلہ کو نہ نکلتا تو میں خود جاتا کیونکہ میں نے دیکھا لوگ اس سے ہیبت زدہ ہو رہے تھے۔

اسی غزوہ میں جب جنگ زور پکڑ گئی تو آپ نے اپنی تلوار کھینچ کر فرمایا "کون اس کا حق ادا کرے گا" تمام جانثاروں نے ہاتھ آگے بڑھائے حضرت زبیرؓ نے تین مرتبہ اپنے آپ کو پیش کیا لیکن یہ فضیلت ابو دجانہ انصاریؓ کے لئے مقدر ہو چکی تھی (زرقانی II)

کفار کے جم غفیر کے مقابل صرف چودہ جانثار حضورؐ کی حفاظت کر رہے تھے، وہاں بھی حواری رسولؐ اپنا یہ فرض پوری تندہی سے ادا کرتے رہے (رزم حق و باطل)

غزوۂ خندق میں حضرت زبیرؓ عورتوں والے حصے کی حفاظت پر مامور تھے، بنو قریظہ اور مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ تھا لیکن وہ لوگ اس عہد کی وفا کرتے دکھائی نہ دیتے تھے، والیٔ مدینہ کسی شخص کو حالات کا پتہ لگانے بھیجنا چاہتے تھے تین مرتبہ فرمایا! "کون اس قوم کی خبر لائے گا" ہر مرتبہ حضرت زبیرؓ اپنے آپ کو پیش کرتے، رحمۃ اللعالمینؐ نے خوش ہو کر حوارئ رسول کا اعزاز بخشا حضرت زبیرؓ بے خطر گئے حالات کو اچھی طرح دیکھا بھالا، واپس آ کر آقاؐ کو مطلع کیا تو آپؐ اس قدر خوش ہوئے کہ فرمایا

فداك أبي وأمي

(تجھ پر میرے ماں اور باپ قربان)

(بخاری مسندؒ)

غزوۂ خندق میں نوفل بن عبداللہ مغیرہ مخزومی نے اپنا مقابل مسلمانوں سے طلب کیا زبیرؓ نکلے اور تلوار سے اس کے بدن کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ جس کی وجہ سے تلوار میں دندانے پڑ گئے اور یہ شعر پڑھتے ہوئے واپس ہوئے

انی امرؤ احمی واحتمی

عن النبی المصطفی الامی

"البدایہ"

(ترجمہ) میں ایسا آدمی ہوں جو اپنی حفاظت بھی کرتا ہوں اور نبی مصطفی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی۔"

خیبر کے معرکہ میں غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ خیبر کے سردار مرحب جب قتل ہوا تو اس کا بھائی یاسر بپھرے ہوئے چیتے کی طرح غراتا ہوا نکلا، بڑا ہی تنومند اور قوی ہیکل؛ چلایا! "ھل من مبارز" ہے کوئی میرا چیلنج قبول کرنے اور مجھ سے مقابلہ کرنے والا، زبیرؓ آگے بڑھے، اس کے سامنے جب پہنچے تو دیو کے مقابل ایک انسان، یہ کچھ برابری دکھائی نہ دیتی تھی، حضرت صفیہؓ نے پوچھا "اے اللہ کے رسول! کیا میرا لخت جگر آج شہید ہو گا!" آپؐ نے فرمایا نہیں زبیرؓ اس یہودی کو قتل کرے گا۔ واقعی کچھ دیر پینترے بدلتے وار کرتے اور بچتے ہوئے حضرت زبیرؓ نے یاسر کے مزید شر و فساد کی مہلت ختم کر دی۔ یہودی کو قتل کر کے دونوں لشکروں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا (سیرت ابن ہشامؒ)

فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار مجاہدین کی فوج کو متعدد حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ آخری دستہ جس میں آقاؐ خود بھی موجود تھے، حضرت زبیرؓ اسی دستے کے علمبردار تھے (بخاری فتح مکہ)

مکہ میں جب ہر طرف سکون و اطمینان ہو گیا تو حضرت زبیرؓ اور حضرت مقداد بن اسودؓ گھوڑوں

پر سوار بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہوئے، شہنشاہ دو جہاں ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے ان کے چہروں سے گرد و غبار صاف کیا اور فرمایا "میں نے گھوڑے گھوڑے کے لئے دو اور سوار کے لئے ایک حصہ مقرر کیا ہے۔ جو ان حصوں کو کم کرے خدا اس کو نقصان پہنچائے گا" (طبقات ابن سعد I)

حضرت زبیرؓ بن العوام ایک مرد میدان اور بہادر مجاہد تھے۔ جنگ یرموک میں شامل تھے ایک مرتبہ لوگوں نے کہا اگر آپ حملہ کر کے رومی فوج کے قلب میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کا ساتھ دیں گے، فرمانے لگے تم لوگ میرا ساتھ ساتھ نہیں دے سکتے، سب نے عہد کر لیا۔ تو دشمن پر حملہ کر دیا۔ رومی فوج جو تعداد میں لاکھوں تھی بارہ میل کی لمبائی میں پھیلے ہوئے تھے، اس لشکر کے قلب پر حملہ کرنا اور وہ بھی چند افراد کا معجزے سے کم تو نہ تھا۔ حضرت زبیرؓ نے حملہ کر دیا لڑتے بھڑتے رومی فوج کا قلب چیرتے ہوئے تن تنہا لشکر کے پار نکل گئے اور تو کوئی ساتھ نہ دے سکے پھر اسی طرح واپس لوٹے، کسی رومی نے گھوڑے کی باگ ایسی اٹکائی کہ گھوڑا رک گیا وہاں لڑتے لڑتے تلوار کے دو گہرے زخم آئے بدر کے بعد دوسرا گہرا یہی زخم تھا۔ غرض ایسے جاندار، نڈر اور بہادر مجاہدین کی جرأت نے رومیوں کے اس ٹڈی دل لشکر کا منہ پھیر دیا

(بخاری سید الصحابہؓ)

فسطاط کی فتح کے وقت جب کمک کی ضرورت پڑی تو حضرت عمرؓ نے دس ہزار فوج بطور کمک روانہ کر دی، جس کے ساتھ چار افسر تھے جنہیں ہر افسر ہزار سوار آدمیوں کے برابر کا تھا۔ حضرت زبیرؓ بھی انہی افسروں میں شامل تھے محاصرے نے طول پکڑ لیا قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا ایک روز حضرت زبیرؓ فرمانے لگے آج میں مسلمانوں پر قربان ہوتا ہوں!! تلوار کھینچی اور کسی طرح قلعے کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہؓ بھی ساتھ ہو گئے۔ سب نے فصیل پر کھڑے ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ نیچے کھڑی تمام فوج بھی نعرے میں شریک ہو گئی۔ جس سے قلعہ کی زمین دہل گئی۔ عیسائی بدحواس ہو کر بھاگے کہ مسلمان شاید قلعے کے اندر گھس آئے ہیں، حضرت زبیرؓ فصیل سے اترے اور قلعہ کا پھاٹک کھولدیا۔ تمام فوج اندر داخل ہوئی مقوقس حاکم مصر نے صلح کی درخواست کی اور فوراً سب کو امان دے دی گئی (فتوح البلدان)

غزوۂ حنین میں کفار کمین گاہوں میں چھپ گئے۔ حضرت زبیرؓ جب اس گھاٹی کے قریب پہنچے تو ایک شخص کہنے لگا "لات و عزیٰ کی قسم یہ طویل القامت شخص زبیرؓ ہے اختیار ہو جاؤ، اس کا

پروفیسر حافظ عبدالرزاق

کیا ہمارا المیہ اسلامی نظام اور مغربی نظام کا تصادم ہے؟

نظام کا لفظ جہاں مطلق طور پر بولا جائے اس سے مراد نظامِ زندگی ہوتا ہے۔ زندگی کی وسعت کا اندازہ کون کرسکتا ہے، پیدا ہونے سے مرنے تک، گھر کی چار دیواری سے ایوانِ حکومت تک۔ مزدور سے حکمران تک ہر چیز ہر جگہ اور ہر فرد اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

زندگی کے اجزائے ترکیبی کو دیکھا جائے تو ان کا شمار نہیں ہوسکتا۔ نظریاتی، عملی، اخلاقی تمدنی، معاشی، سیاسی، عدالتی، عسکری الغرض کون سا نظام ہے جو نظامِ زندگی کے اجزائے ترکیبی میں شمار نہیں ہوتا، مگر ان اجزاء میں باہمی تعلق کچھ اس قسم کا ہے جیسے بیج اور درخت کا یعنی بیج اور تنے، شاخوں، پتوں، پھولوں اور پھل میں جو تعلق ہوتا ہے وہی یہاں بھی پایا جاتا ہے۔ نظامِ زندگی کے لئے نظریہ، عقیدہ یا ایمان بیج کی حیثیت رکھتا ہے۔ زندگی کے تمام اجزائے ترکیبی اسی بیج سے اُگتے، نشوونما پاتے اور پھولتے پھلتے ہیں۔ بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ نظریہ یا عقیدہ ہی ہر نظام کا مصدرِ حیات بھی ہوتا ہے اور مقصدِ حیات بھی، وہ ایسا مرکزی نقطہ ہوتا ہے کہ زندگی کے تمام دائرے اسی کے گرد گھومتے ہیں۔ جب ہم اسلامی نظام اور مغربی نظام پر بحث کرتے ہیں تو ہمیں اس حقیقت کو ہرگز نہیں بھولنا چاہیے کہ ان کے اجزائے ترکیبی میں بھی یہ فطری اصول کارفرما ہے کہ یہاں بیج بھی موجود ہے شاخیں اور پتے بھی نظر آتے ہیں۔ اس لئے اس بحث میں دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس بحث میں کسی نتیجہ پر نہ پہنچنے یا غلط نتیجہ اخذ کرنے کی وجہ عموماً یہ ہوتی ہے کہ بیج اور

جڑوں سے صرفِ نظر کر کے صرف پتوں پر نظر اٹک جاتی ہے۔

موضوع کے عنوان کی جان لفظ "المیہ" ہے۔ المیہ کا اطلاق ایسے حادثے پر ہوتا ہے جو المناک تو ہو مگر غیر متوقع ہو۔ عادت کے خلاف ہو اور انسانی اختیار اور بس سے باہر ہو۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر جب ہم اسلامی نظام اور مغربی نظام کے تصادم کو المیہ قرار دے رہے ہیں تو یہ بالکل بے محل بات معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے اس تصادم کے نتیجہ میں جو حالات پیدا ہوتے ہیں انہیں دیکھ کر المیہ کہہ دیا گیا ہو۔ ورنہ یہ تصادم بجائے خود تو فطری ہے نہ غیر متوقع ہے نہ خلافِ عادت۔ کیونکہ آم کے بیج سے آم کا درخت پھوٹے اور اس پر آم کا پھل لگے اور آک کے بیج سے آک کا پودا اُگے اور اس پر آک کا پھل لگے تو یہ نہ غیر متوقع ہے نہ خلافِ عادت ہے بلکہ یہ تو عین فطرت کا تقاضا ہے۔

اب آیئے اسلامی نظام اور مغربی نظام کی طرف تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا حق و باطل میں تصادم فطری نہیں۔ کیا کفر و اسلام میں تصادم غیر متوقع ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اسلام اور کافرانہ نظام میں تصادم پر تعجب کیوں؟

رہی یہ بات اگر یہ تصادم المیہ نہیں تو تو ہمارا المیہ ہے کیا ــــ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم من حیث القوم ذہنی طور پر ابھی تک غلام ہیں۔ جسم مغرب کے تسلط سے بظاہر آزاد ہو گئے ہیں، ذہن بدستور غلام ہیں اور اس ذہنی مرعوبیت کا اثر ہے کہ ہم مغربی نظام کو ابھی تک معیاری، اعلیٰ، اور آئیڈیل نظام سمجھتے ہیں اور اس کی برتری پر ہمارا ایمان اور یقین اس درجہ کا ہے کہ سورج نصف النہار پر چمک رہا ہو تو ہم اس کا انکار کر سکتے ہیں مگر مغربی نظام کی برتری کا انکار کرنے کی غلطی نہیں کر سکتے۔ اور یہ ہماری مجبوری ہے ترجمانِ حقیقت نے بالکل بجا کہا تھا ؎

دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشان نظری کا

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہمارا مذاق بگڑ چکا ہے جیسے کسی کو سانپ ڈس جائے اس کے منہ میں شہد ٹپکاؤ تو وہ تھوک دے گا کہ سخت کڑوا ہے۔ اسلام نے جو نظام دیا ہم نے اس شہد کو زہر کی طرح کڑوا سمجھا، کیونکہ غلامی کے اژدہے کے پشت ہا پشت سے ڈسے ہوتے ہیں۔

اس حقیقت کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیجئے اسلامی نظام کی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ خالق کائنات نے یہ ساری مشین تمہاری خدمت کے لیئے بنائی۔ اس کا موجد اور صانع وہ خود ہے اس کی بنائی ہوئی مشین کو استعمال کرنے اور اس سے کام لینے کا طریقہ سکھانا بھی اس نے اپنے ذمہ لیا۔ تمہارا کام یہ ہے کہ موجد کی ہدایات کے مطابق اس سے کام لو۔ تمہیں

آرام اور سکون ملے گا۔ اس بنیادی نظریہ کے مطابق اس کے آخری نمائندہ نے زندگی کے تمام شعبوں میں رہنما اصول دے کر اور ان اصولوں کے مطابق ایک مثالی معاشرہ قائم کر کے انسانیت کے سامنے رکھ دیا۔ اور انسانیت کے دوست نما دشمنوں کو چیلنج کیا کہ اس نظام کے کسی شعبے میں کوئی خامی نظر آئے تو نشاندھی کر دو مگر صدیاں بیت گئیں کسی بڑے سے بڑے دشمن اسلام کو بھی دلائل کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت نہ ہوئی کہ اسلامی نظام کے کسی پہلو میں کوئی خامی ہے۔ بلکہ مغرب کے وہ مفکر جنہیں انصاف کی بات کہنے میں عار محسوس نہ ہوئی اس کے متعلق جو کچھ کہہ گئے ہیں ان کا احاطہ کرنا تو ممکن نہیں چند مثالیں سن لیجئے۔

جارج برنارڈ شا کہتا ہے

اگر اس عالم کا اقتدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم بطور ایک عامر کے سنبھال لیتے تو اس کے مسائل اس طرح حل کرتے کہ اسے امن و سلامتی سے ہمکنار کر دیتے جو اس کی اشد ضرورت ہے

جی ایل بیری کہتا ہے

ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ناظم اور تاریخ ساز شخصیت کہہ کر ہی نظر انداز نہ کر دینا چاہیے انہوں نے ایک ضابطہ اخلاق عطا کیا جو اس زمانے میں ایک انتہائی ترقی کا اقدام تھا۔ یہ ضابطہ یعنی اسلام دنیا کو مہذب کرنے کا ایک بہت بڑا سرچشمہ بنا۔ اس نے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم کو ختم کیا۔ بردہ فروشی کو لگام دیا۔ شراب اور جوا پر پابندی لگائی۔ قبائلی تنازعات بند کئے اور آزاد کثرت ازدواج پر قدغن لگائی۔ طلاق کو محدود کر کے عورتوں کے حقوق کو تحفظ دیا۔ زنا کی شدید سزا مقرر کی اور عربوں کو اتحاد کا تصور دیا۔

آربری کہتا ہے

قرآن کی تعلیمات کے قربان جائیں کہ عرب تاریخ عالم میں پہلی قوم ہوئی جس نے دنیا کو تہذیب کی موت و حیات کا مکمل شعور بخشا۔

(اے۔ جے۔ آربری)

ول ڈیوراں کہتا ہے

گذشتہ تیرہ صدیوں سے قرآن نے یادوں کی دنیا آباد کی، تخیلات کو ابھارا، کردار کو سدھارا اور کروڑوں انسانوں کے شعور کو انگشت بدنداں کر دیا۔ اس نے سادہ لوح انسانوں کو سادہ ترین، غیر مبہم رسم و رواج کی قیود اور بت پرستی سے پاک مسلک

عطا کیا۔ اس کے پیغام نے اس کے ماننے والوں کے اخلاقی و معاشرتی معیار کو بلند کیا۔ اتحاد و باہمی یگانگت کو فروغ دیا۔ صفائی و پاکیزگی کی تعلیم دی اوہام پرستی اور ظلم کے سامنے بند باندھا غلاموں کی حالت بہتر بنائی اور کم حیثیت والوں کو عزت بخشی اور سربلند کیا۔ اس نے مسلمانوں کے اندر وہ تحمل و بردباری جس کی مثال سفید فام دنیا میں کہیں نہیں ملتی

اسلام کے دشمن کہہ رہے ہیں کہ اسلامی نظام شہد ہے اور اسلام کے شیدائی کہہ رہے ہیں بلکہ نعرے لگا رہے ہیں اللہ کی بات نامنظور! رسول کی بات نامنظور! پھر لطف یہ کہ وہ مسلمان بھی ہیں اور اسلامی نظام نافذ بھی کر رہے ہیں۔ یہ ہے اصل المیہ۔

اسلام کے برعکس مغربی نظام کی بنیاد کیا ہے ___؟ یہ کائنات کسی کی ملکیت نہیں بہر حال جب انسان کو مل چکی ہے تو اس کو استعمال کرنے میں وہ آزاد ہے۔ اپنی عقل، اپنی ضرورت، اپنی ہوس اور اپنے جذبات کی تسکین جیسے وہ چاہے کرے۔ ظاہر ہے مختلف انسانوں اور مختلف قوموں میں سوچ کے انداز جدا، پسند و ناپسند کے معیار مختلف، اور ضرورتیں اپنی اپنی لہذا اس بنیاد پر جو نظام تشکیل پائیں گے وہ مختلف اقوام اور مختلف ممالک میں مختلف ہونگے۔ اسی طرح چھوٹے پیمانے پر مختلف افراد میں مختلف ہونگے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ افراد میں تصادم، اقوام میں تصادم، ممالک میں تصادم۔ اور اخلاقی اقدار کا فقدان اس کے لیئے مہمیز ثابت ہوگا۔ اس میں سکون کہاں۔ شرف انسانیت کہاں۔

اب مغرب اور مغربی نظام کی پیداوار مفکروں کی سنیئے۔

سب سے پہلے انسانی زندگی کا مقصد لیجئے۔

(۱) انسانی افعال کا محرک حصول لذت ہے۔ (بنتھم)

(ii) افعال کا محرک خواہش ہے (میکنزی)

(iii) زندگی کا مقصد بڑی سے بڑی مقدار کی بڑی سے بڑی مسرت کا حصول ہے (مل)

مغربی نظام میں گھریلو زندگی کی کیفیت ملاحظہ

سوروکیم کہتا ہے

" انسان محض حیاتیاتی وجود نہیں رکھتا جس کا اپنا کوئی نظریہ نہ ہو بلکہ وہ بہت سے احساسات و رجحانات رکھتا ہے جو صحیح نشوونما کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس فرض کو ماضی میں خاندان سرانجام دیتا تھا۔ لیکن آجکل خاندان اس اہم فریضہ کی بجاآوری میں مجرمانہ غفلت برت رہا ہے۔ اس کوتاہی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایک ایسا خاندان جس میں خاوند اور بیوی کے تعلقات کسی مضبوط بنیاد پر استوار نہ ہوں وہاں بچوں کی صحیح تربیت نہیں ہوسکتی جس کی وجہ بچوں میں اخلاق حمیدہ

قوم نے چن چن کر مغرب کی تمام برائیوں کو اپنا لیا ہے اور خوبیوں کو بڑی احتیاط سے اپنے قریب بھی نہیں آنے دیا۔ حالانکہ اسلام نے سب سے پہلے ٹھوس اور پاکیزہ عقیدہ اپنانے کی دعوت دی تھی۔ یہ وہ دولت ہے کہ آج مغرب خود اس کی کمی محسوس کر رہا ہے چنانچہ ٹاش بی کہتا ہے۔

"میں نے جن اکیس تمدنوں کا مطالعہ کیا ہے ان کو پلٹ کر دیکھتے ہوئے انسان کی ذہانت سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ محض دنیا کو اپنا منتہائے مقصود قرار دینے کے بعد پھر کوئی خوشگوار اخلاقی فیصلہ کر سکے گی۔ اس نوع انسانی کی بجنت ایک تاریخی حماقت ہے لیکن وہ بھی صرف اس حالت میں جبکہ وہ فطری نتیجہ ہو۔ خداوند تعالیٰ سے گہری وابستگی کا۔

پس دورِ حاضر کی سب سے بڑی ضرورت ایک فوق الطبیعی ایمان کا احیاء ہے۔ اس کے بغیر اس انسان پہ جس کے ہاتھ میں اپنے معمل کے تیار کیے ہوئے کھلونے ہیں کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

ہمارے حقیقی المیہ کی طرف تو ترجمانِ حقیقت نے مدتوں پہلے اشارہ کر دیا تھا۔

مغرب کی غلامی پہ رضا مند ہوا تو
مجھکو گلہ تجھ سے ہے مغرب سے نہیں ہے

بقیہ حواریٔ رسولؐ

حملہ بڑا خطرناک ہوتا ہے" یہ جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست جمعیت نے اچانک حملہ کر دیا حضرت زبیرؓ نے نہایت پھرتی سے اور تیزدستی سے اس ناگہانی آفت کو روکا۔ اس شجاعت سے جانبازی سے لڑے کہ ساری گھاٹی سے کفار کو مار بھگایا۔

جنگ جمل میں حضرت زبیرؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ساتھ دے رہے تھے۔ لیکن بعد میں دونوں لشکروں کا ساتھ چھوڑ کر حجاز کو چل دیئے عمرو بن جرموز نے نماز کے دوران انہیں قتل کر دیا۔ تلوار اور زرہ بارگاہ مرتضوی ؓ میں پیش کی۔ حضرت علیؓ نے حسرت بھری نظر تلوار پر ڈالی اور فرمایا اس نے بارہا رسولِ امینؐ کے سینے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں۔ اے ابنِ صفیہؓ کے قاتل تجھے بشارت ہو جہنم تیری منتظر ہے (مسند)

حضرت عثمانؓ، مقداد عبداللہ بن مسعودؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ اکثر لوگوں نے انہی کو اپنا وصی بنایا (اصابہ III- زبیرؓ دین کے ایک رکن ہیں (حضرت عمرؓ)

لیئے نہایت مضر اور اسلام کی بدنامی کا باعث ہے۔ مثلاً ہم نے سود سے پاک بنکاری کا منصوبہ بنایا۔ کیوں ؟ اس لیئے کہ اسلام میں سود حرام ہے۔ مگر اس پر عمل یوں شروع ہوا کہ بنکوں میں سودی کاروبار کے پہلو میں ایک کاؤنٹر کھول دیا کہ یہاں سے کہ لے P اکاؤنٹ کھولیئے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ قصائی اپنی دکان میں بکرے کا گوشت لٹکا دے اور اس کے پہلو میں خنزیر کا گوشت بھی رکھ دے۔ ظاہر ہے کہ اگر خنزیر حرام ہے تو اس کا گوشت پاس کیوں رکھا ہے پھر یہ ایک فطری بات ہے کہ جو لوگ پشتہا پشت سے خنزیر کا گوشت کھانے اور مزے لے لے کر کھانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ وہ اسے چھوڑ کر بکرے کا گوشت کیوں لیں گے۔ یہ روش ظاہر کرتی ہے کہ قصاب کے عقیدہ کے مطابق خنزیر حرام نہیں جبھی تو اس نے لٹکا رکھا ہے۔

اسی طرح دو دلی سے زکوٰۃ کا قانون نافذ ہوا کہ جو دے اس کا بھی بھلا جو نہ دے اس کا بھی بھلا۔ اگر اسلامی نظام کی حقانیت پر یقین ہوتا جو زکوٰۃ نہ دینے والوں کے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو اسلام کے آخری رسول کے سب سے پہلے جانشین نے کیا تھا۔

اسی طرح اسلامی قانون کی تہمت کے ساتھ کافرانہ قانون پورے جوبن پر چلایا جارہا ہے۔ کیوں — ؟ اس لیئے اسلامی قانون پورے جوبن پر پر یقین نہیں۔

نصف صدی ہو رہی ہے کہ آزادی مل چکی ہے اور آزادی کی اس غرض سے تھی کہ یہاں اسلام کا نظام نافذ ہوگا۔ مگر اس عرصے میں ابتدا کی ضروری اور بنیادی کام تعلیم کا نظام اسلامی تقاضوں کے مطابق چلانا تھا مگر وہ بھی تاحال لارڈ میکالے کے نظریہ کے مطابق چلایا جارہا ہے۔ بلکہ تعلیم کے میدان میں تو قوم کو ذہنی غلامی یوں کھل کر سامنے آئی ہے کہ ذرا سے شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ انگریز نے اپنے دور اقتدار میں اپنی زبان کی ترویج کے لیئے یہ کیا تھا کہ پانچویں جماعت سے انگریزی زبان کی تعلیم دی جاتی۔ مگر آزاد ہو کر ہم نے پہلی جماعت سے انگریزی پڑھنا شروع کر دیا اور شہر کی ہر گلی اور ہر موڑ پر ایک انگلش میڈیم سکول کھل گیا ہے نہیں بلکہ ایسے ایسے گوردہ جہاں انگریز کے زمانے میں پرائمری سکول بھی کوئی مشکل سے ہو وہاں بھی انگلش میڈیم سکول کھل گیا ہے۔ کہاں کا تصادم ! المیہ یہ ہے کہ قوم آزاد نہیں ہوئی بلکہ بدترین قسم کی ذہنی غلامی کا شکار رہی ہے۔

ایک اور عجیب معاملہ یہ ہے کہ قوم مغرب کی نقالی کے لیئے بھی زندگی کا وہ شعبہ انتخاب کرتی ہے جس میں برائی کا پہلو غالب ہو۔ بلکہ اعداد و شمار اکٹھے کر کے دیکھ لیجئے

قوم نے چُن چُن کر مغرب کی تمام برائیوں کو اپنا لیا ہے اور خوبیوں کو بڑی احتیاط سے اپنے قریب بھی نہیں آنے دیا۔ حالانکہ اسلام نے سب سے پہلے ٹھوس اور پاکیزہ عقیدہ اپنانے کی دعوت دی تھی۔ یہ وہ دولت ہے کہ آج مغرب خود اس کی کمی محسوس کر رہا ہے چنانچہ "ٹاش بی کہتا ہے۔

"میں نے جن اکیس تمدنوں کا مطالعہ کیا ہے ان کو پلٹ کر دیکھتے ہوئے انسان کی ذہانت سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ محض دنیا کو اپنا منتہائے مقصود قرار دینے کے بعد پھر کوئی خوشگوار اخلاقی فیصلہ کر سکے گی۔ ان نوع انسانی کی بجٹت ایک تاریخی حماقت ہے لیکن وہ بھی صرف اس حالت میں جبکہ وہ فطری نتیجہ ہو۔ خداوند تعالیٰ سے گہری وابستگی کا۔

پس دورِ حاضر کی سب سے بڑی ضرورت ایک فوق الطبیعی ایمان کا احیار ہے۔ اس کے بغیر اس انسان پر جس کے ہاتھ میں اپنے عقل کے تیار کیے ہوئے کھلونے ہیں کبھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

ہمارے حقیقی المیہ کی طرف تو ترجمانِ حقیقت نے مدتوں پہلے اشارہ کر دیا تھا ؎

مغرب کی غلامی پہ رضا مند ہُوا تُو
مجھکو تو گلہ تجھ سے ہے مغرب سے نہیں ہے

بقیہ حواریٔ رسولؐ

حملہ بڑا خطرناک ہوتا ہے" یہ جملہ ختم ہی ہوا تھا کہ ایک زبردست جمعیت نے اچانک حملہ کر دیا حضرت زبیرؓ نے نہایت پھرتی سے اور تیزدستی سے اس ناگہانی آفت کو روکا۔ اس شجاعت سے جانبازی سے لڑے کہ ساری گھاٹی سے کفار کو مار بھگایا۔

جنگِ جمل میں حضرت زبیرؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ساتھ دے رہے تھے۔ لیکن بعد میں دونوں لشکروں کا ساتھ چھوڑ کر حجاز کو چل دیئے عمرو بن جرموز نے نماز کے دوران انہیں قتل کر دیا۔ تلوار اور زرہ بارگاہِ مرتضویؓ میں پیش کی۔ حضرت علیؓ نے حسرت بھری نظر تلوار پر ڈالی اور فرمایا اس نے بارہا رسولِ امینؐ کے سامنے سے مصائب کے بادل ہٹائے ہیں۔ اے ابنِ صفیہؓ کے قاتل تجھے بشارت ہو جہنم تیری منتظر ہے (مسند)

حضرت عثمانؓ، مقداد، عبداللہ بن مسعودؓ عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ اکثر لوگوں نے انہی کو اپنا وصی بنایا (اصابہ III- زبیرؓ دین کے ایک رکن ہیں (حضرت عمرؓ)

رعایتی سیٹ

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ نے مندرجہ ذیل کتب کے سیٹ رعایتی قیمتوں پر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ تبلیغی مقاصد کے لئے اور ذاتی مطالعہ کیلئے یہ سیٹ نہایت مفید ہیں۔ آپ دوستوں کو تحفہ میں دینے کیلئے یا لائبریری میں رکھوانے کیلئے بھی خرید سکتے ہیں۔

تعارف

سیٹ نمبر ۱

ارشاد السالکین حصہ اوّل
ارشاد السالکین حصہ دوئم
کس لیئے آئے تھے کیا کر چلے
مغالطے
تحقیق حلال وحرام

کل قیمت ۴۰/- روپے
رعایتی سیٹ ۲۰/- روپے

سیٹ نمبر ۲

سیف اویسیہ
حیات برزخیہ
حیات انبیاء
حیات النبیؐ

کل قیمت ۶۵/- روپے
رعایتی قیمت ۴۰/- روپے

سیٹ نمبر ۳

تخذیر المسلمین
ایمان بالقرآن
الدین الخالص
حضرت امیر معاویہؓ

کل قیمت ۷۵/- روپے
رعایتی قیمت ۴۵/- روپے

ملنے کا پتہ **اویسیہ کتب خانہ** نمبر ۱۶۴، گلیکسی شاپنگ سنٹر فیروز پور روڈ لاہور

"المرشد"

ایک سال کیلئے مفت حاصل کریں

اگر آپ پانچ حضرات سے "المرشد" کا ایک سال کا چندہ لے کر ہمیں ان کے نام اور پتے سمیت بھیج دیں تو ہم آپکو ایک سال کے لئے "المرشد" جاری کر دیں گے۔ یہ پیشکش محدود مدت کیلئے ہے

نام ____________ نام ____________
پتہ ____________ پتہ ____________
____________ ____________

نام ____________ نام ____________
پتہ ____________ پتہ ____________
____________ ____________

نام ____________ میرا نام ____________
پتہ ____________ پتہ ____________
____________ ____________

کُل رقم ۲۵۰/۰ رُوپے

رقم بذریعہ ڈرافٹ / منی آرڈر بھیجی جائے

اویسیہ کتب خانہ ۱۶۴ گلیکسی شاپنگ سنٹر فیروزپور روڈ لاہور

تصانیف حضرت العلام
مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

تصوف

تعارف	۳/۰
دلائل السلوک خاص ایڈیشن	۶۰/۰
دلائل السلوک انگریزی ایڈیشن	۶۰/۰
اسرار الحرمین	۵/۰
علم عرفان	۳/۵۰
عقائد و کمالات علماء دیوبند	۵/۰

حیات بعد الموت

سیف اویسیہ	۱۰/۰
حیات برزخیہ	۳۰/۰
حیات انبیاء	۱۵/۰
حیات النبی ؐ مذہب اہل سنت کی نظر میں	۱۰/۰

شیعیت کا تحقیقی مطالعہ

الدین الخالص	۲۵/-
ایمان بالقرآن	۲۰/۰
تحذیر المسلمین	۲۵/۰
تفسیر اربعہ آیات	۵/۰
تحقیق حلال و حرام	۵/۰
حرمت ماتم	۵/۰
ایجاد مذہب شیعہ	۵/۰
شکست اعدائے حسین	۴/۰
داماد علی	۲/۵۰
بنات رسول	۳/۰
الجمال والکمال	۵/۰

تصانیف حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

اسرار التنزیل حصہ اول	۱۰/۰
اسرار التنزیل " دوم	۱۰/۰
اسرار التنزیل " سوم	۱۰/۰
اسرار التنزیل " چہارم	۱۰/۰
چار پارے مکمل و مجلد	۵۰/۰
دیار حبیب میں چند روز	۵/۰
ارشاد السالکین	۵/۰
امیر معاویہ	۱۰/۰
راہی کرب و بلا	۳/۰
عصر حاضر کا امام	۲/۰
ارشاد السالکین دوم	۲/۰

تصانیف پروفیسر حافظ عبد الرزاق ایم اے اسلامیات و عربی

ذکر اللہ عربی	۳/۰
لغزشیں	۱۰/۰
اطمینان قلب	۱۵/۰
تصوف و تعمیر سیرت	۱۰/۰
کس لئے آئے تھے؟	۵/۰
خدایا ایں کرم بار دگر کن	۱۰/۰
بزم انجم	۲۰/۰
دین و دانش	۱۰/۰
کونوا عباد اللہ	۳/۰
انوار التنزیل	۷/۵۰
مغالطے	۱/۰

کتب خانہ اویسیہ
۱۶۳ گلیکسی شاپنگ سینٹر
فیروز پور روڈ لاہور

ماہنامہ المرشد چکوال

بیاد

حضرت العلام مولانا

اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مدظلہ

اصلاح احوال و باطنی اصلاح

بدل اشتراک

سالانہ چندہ	۵۰/-
ششماہی	۳۰/-
فی پرچہ	۵/-
سعودی عرب، کویت، یمن، لنکا	
بھارت سالانہ چندہ	۱۳۰/-
متحدہ عرب امارات مسقط	۱۴۰/-
یورپ	۱۵۰/-
لیبیا	۱۶۰/-
امریکہ کینیڈا	۱۸۰/-

سول ایجنٹ

مدنی کتب خانہ
گنپت روڈ
لاہور

ملنے کا پتہ: ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان منارہ ضلع چکوال